مفتی ولی حسن ٹونکی

محدث العصر

رسول اکرم ﷺ کے مقاصدِ بعثت کو قرآنِ کریم میں مختلف سورتوں میں بیان کیا گیا ہے، مثلاً سورۂ بقرہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی ارشادِ ربانی ہے:

”ربنا وابعث فیهم رسولاً منهم یتلوا علیهم ایاتک ویعلمهم الکتاب والحکمة ویزکیهم انک انت العزیز الحکیم“. (بقرہ:۱۲۹)

ترجمہ:... ”اے ہمارے پروردگار، بھیج ان میں سے ایک رسول، ان ہی میں سے جو ان کے سامنے تیری آیات تلاوت کرے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کرے، بلاشبہ تو غالب اور حکمت والا ہے“۔

سورۂ آل عمران میں اہلِ ایمان پر اللہ تعالیٰ کے احسان وامتنان کے ضمن میں اس مضمون کو اس طرح بیان کیا:

”لقد من الله علی المؤمنین اذ بعث فیهم رسولاً من انفسهم یتلوا علیهم اٰیٰته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین“. (آل عمران:۱۶۴)

ترجمہ:... ”اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان پر احسانِ عظیم فرمایا کہ ان میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجا، جو ان کے سامنے اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ اس سے پہلے واضح گمراہی میں مبتلا تھے“۔

سورۂ جمعہ میں اللہ تعالیٰ کی تقدیس اور تسبیح کے بعد ہی ارشاد ہے:

"ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین". (الجمعہ:۲)

ترجمہ:... "وہی ہے جس نے بھیجا امیین میں، ایک رسول ان ہی میں سے جو ان کے سامنے اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک وصاف کرتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں مبتلا تھے"۔

آیاتِ بالا سے رسول اکرم ﷺ کے مقاصدِ بعثت مندرجہ ذیل معلوم ہوئے:

۱:...تلاوتِ آیات ۲:...تعلیم کتاب ۳:...تعلیم حکمت ۴:...تزکیہ نفوس

حکمت سے مراد کیا ہے؟ مختلف اقوال منقول ہیں، راجح قول یہی ہے کہ اس سے مراد سنت، یعنی حدیثِ نبوی ﷺ ہے، کیونکہ صحابہ وتابعین جن کی بصیرتِ قرآنی ہر زمانے میں سند وحجت رہی ہے، ان سب کی یہی رائے ہے کہ اس سے مراد حدیث وسنت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس، حسن بصری، قتادہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد سنت وحدیث ہی ہے۔ امام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی نے اپنی کتاب الرسالۃ میں اطاعتِ رسول اور سنت وحدیث کی حجیت پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اسی سلسلہ میں وہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

> "فذکر اللّٰہ الکتاب، وھو القراٰن، وذکر الحکمة، فسمعت من ارضٰی بہ من اھل العلم بالقراٰن، یقول: الحکمة سنة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وذلک لانھا مقرونة مع کتاب اللّٰہ، وان اللّٰہ افترض طاعة رسولہ، وحتم علی الناس اتباع امرہ، فلا یجوز ان یقال لقول فرض الالکتاب اللّٰہ ثم سنة رسولہ لما وصفنا من ان اللّٰہ جعل الایمان برسولہ مقروناً بالایمان بہ". (ص:۷۸)

ترجمہ:... "اللہ تعالیٰ نے "الکتاب" کا ذکر کیا، جس سے مراد قرآن کریم اور "الحکمة" کا ذکر کیا ہے، جس کے بارے میں، میں نے قرآن کے ان علماء سے جو میرے نزدیک پسندیدہ ہیں، یہ کہتے سنا کہ اس سے مراد سنت رسول اللہ ہے اور یہ اس لئے کہ وہ کتاب اللہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض کی ہے اور اتباع رسول کو لوگوں پر حتمی قرار دیا ہے، لہٰذا کسی امر کو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کے بغیر فرض نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اپنے رسول پر بھی ایمان لانے کا ذکر کیا ہے"۔

صحابہ کرامؓ، تابعین عظام، ائمہ ہدیٰ نے مندرجہ بالا مقاصدِ نبوت پر کام کیا۔ "العلماء ورثة الانبیاء" کے مصداق بنے۔

حضرات قراء مقصدِ اول کے مظہر ہیں، جنہوں نے قرآنِ کریم کو مختلف قرأتوں اور رسول اکرم ﷺ کی تلاوتِ آیات کی مختلف کیفیتوں کو محفوظ کیا، وہ سارے علماء اور وہ سب کتابیں جو قرأت و تجوید اور رسم الخط قرآنی کے سلسلے میں لکھی گئیں، مقصد اول کی شرح اور ایضاح ہیں۔

ائمہ تفسیر اور مفسرین سلف، مقصدِ دوم، یعنی تعلیم کتاب کے ذیل میں داخل ہیں' اس سلسلے میں مفسرین کے طبقات اور تفسیرِ قرآن کی خدمت اور اس سلسلے کی تصانیف مقصد ثانی الذکر کی ترجمان ہیں۔

فقہاء محدثین مقصد ثالث کے مظہر اتم ہیں۔ محدثین نے الفاظِ حدیث کی حفاظت کی اور سلسلہ حفاظتِ حدیث پچاس سے زیادہ علوم ایجاد اور تجویز کئے۔ جن کی تفصیل اصولِ حدیث کی کتابوں میں ملتی ہے۔ پھر چونکہ احادیث' رجال کے واسطے سے نقل ہوئی ہیں، اس لئے جرح و تعدیل کے اصول وضع کئے گئے۔ رجال کے طبقات مقرر کئے گئے اور ان کے سوانحی خاکے مرتب کئے گئے اور ایک لاکھ سے زیادہ اشخاص کے کوائف کا ایک ایسا ذخیرہ دنیا کے سامنے آیا جس کی نظیر ملنی مذاہب کی تاریخ میں محال ہے۔ مسلمانوں نے نہ صرف اپنے نبی کریم ﷺ کی مقدس زندگی کی ایک ایک حرکت و سکون کو جمع کیا' بلکہ حدیث و سنت رسول ﷺ کی حفاظت کے واسطے سے ایک لاکھ سے اوپر اشخاص کو زندہ و جاوید بنا دیا۔ آج کسی مذہب کے پاس نہ تو ان کی آسمانی کتاب محفوظ ہے اور نہ ان کے نبی و رسول کی زندگی۔ مسلمانوں کو یہ شرف و فخر حاصل ہے کہ ان کی آسمانی کتاب بھی محفوظ ہے اور ان کے نبی برحق ﷺ کی زندگی کا نہ صرف ہر ورق' بلکہ ایک ایک سطر محفوظ ہے۔

فقہاء کرام معانی حدیث کے محافظ ہیں اور اس کے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں' ان برگزیدہ نفوس نے اپنی زندگیاں صرف کر کے قرآن و حدیث سے استنباطِ احکام کا قابل فخر کارنامہ انجام دیا، جس سے آیاتِ احکام اور حدیث کے معانی و مطالب محفوظ ہو گئے اور قرآن و حدیث کے معانی و مطالب کو اربابِ ہوس (زنادقہ، باطنیہ اور تجدد پسند لوگوں) کے دست و برد سے بچا لیا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والفقهاء هم اعلم بمعاني الحديث". (ترمذی: کتاب الجنائز، باب غسل المیت)

ترجمہ:... "فقہاء کرام حدیث کے معانی کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں"۔

امت مسلمہ محدثین و فقہاء دونوں کے احسانات سے سرنگوں (ممنون و شکر گزار ہے) دونوں نے اپنے اپنے دائرے میں قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم و جزاهم احسن الجزاء۔

تزکیہ نفوس کی نسبت کے حامل حضرات صوفیاء کرام ہیں، جنہوں نے اس نسبت احسان کی پاسبانی کی اور قلوب کے تزکیہ و تصفیہ اور اصلاح امت و سیرت سازی کا گرانقدر کارنامہ انجام دیا، جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

مقاصدِ نبوت و بعثت پر مکرر نظر ڈالئے۔ مذکورہ بالا مقاصدِ نبوت کا تکمیل تک پہنچنا، حزب اللہ' جماعت حقہ

اور جماعتِ باطلہ حزب الشیطٰن کے درمیان مابہ الامتیاز بھی ہے۔یعنی اگر کسی جماعت کی حقانیت معلوم کرنی ہوتو دیکھا جائے گا کہ اس جماعت کی تگ ودو، محنت وکاوش کا میدان اگر یہی مقاصد ہیں اوران کی تحقیقات‘ قراء، مفسرین، محدثین، فقہاء، صوفیاء کی تحقیقات کے خلاف تونہیں ہیں، تو یہ جماعت حقہ سمجھی جائے گی اور وہ اہل السنّت والجماعت کا صحیح مصداق ہوگی۔ برخلاف اس کے کہ اگر کسی جماعت کی جدوجہد کا دائرہ کار یہ مقاصد نہیں اور نہ ان کی تحقیقات سلف صالح کی تحقیقات کے موافق ہیں تو وہ جماعت باوجود اپنے بلند بانگ دعویٰ کے جماعتِ اہلِ حق نہیں سمجھی جائے گی‘ پھر اس معیارِحق وباطل سے جس جماعت میں جس قدر انحراف ہوگا، اسی قدر زیغ، ضلال، کفر کے درجات منطبق ہوں گے۔

قرونِ اخیرہ میں جبکہ ہندوستان میں کفروشرک، بدعات کے گھٹاٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے، عقائد کے پیچ وخم کفروشرک کی سرحدیں پار کررہے تھے‘ جاہل صوفیوں اور گمراہ پیروں نے اسلامی اعمال واخلاق کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی‘ رفض وتشیع کی ظلمتیں اذہان پر چھائی ہوئی تھیں، دوسری طرف سیاسی طور پر ملک میں افراتفری مچی ہوئی تھی‘ مغلیہ سلطنت کا زوال ہورہا تھا‘ اورنگزیب کے جانشین رفض وتشیع کی آلودگیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے کہ دہلی میں عین اسی وقت جبکہ یہ سب کچھ ہورہا تھا، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے ......ان کو اللہ تعالیٰ نے ہونہار اور سعادت منداور علوم نبوت سے سرشار فرزند عطا کئے اور تزکیہ نفوس کے موتی اسلامیانِ ہند کے لئے بکھیر دیئے۔عقائد کی اصلاح ہوئی، کتنی مردہ سنتیں زندہ ہوئیں اور ایک عالم کو اپنے چشمۂ فیض سے سیراب کیا۔ رفض وتشیع کے تارپود بکھیر دیئے‘ جاہل صوفیوں اور گمراہ علماء سے انسانوں کو آزاد کرایا‘ کتاب وحکمت کی تعلیم کو عام کیا اور برصغیر پاک وہند قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دلنواز سے گونج اٹھا‘ یہ خانوادۂ علم وعرفان اس وقت جماعتِ حقہ کا مصداق بنا‘ پھر اس خاندان صدق وصفا کی خلافت جماعت علمائے دیوبند کے حصے میں آئی، جنہوں نے مذکورہ بالا مقاصد سے ہر مقصد کے تحت کام کیا۔

ان حضرات میں اللہ تعالیٰ نے قرا، مفسرین، محدثین، فقہاء، اربابِ فتویٰ اور تزکیہ نفوس واصلاح کا کام کرنے والے پیدا کئے‘ قرأت وتجوید کی کتابیں لکھیں‘ قرآن کریم کے تراجم، تفسیر، تصنیف فرما کر پہلے اور دوسرے مقصد کو پورا کیا‘ کتب حدیث کی طباعت اور اس پر تحشیہ اور صحاح ستہ کی مبسوط شروح لکھ کر تعلیم حکمت کا فریضہ انجام دیا‘ ہزاروں بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہِ حق دکھا کر، ذمائمِ اخلاق کی آلودگیوں سے پاک کر کے تزکیہ نفوس اور سیرت سازی کا عظیم کام سرانجام دیا‘ بلکہ ان میں سے بعض حضرات نے سلوک وتصوف کو قرآن وحدیث وفقہ سے ہم آہنگ کر کے تجدیدی کارنامہ انجام دیا۔ یہ جو کچھ لکھا جارہا ہے، اجمالی اشارات ہیں، اس جماعت حقہ کے کارناموں پر تفصیل سے لکھنے کے لئے ایک دفتر چاہئے۔غرض یہ جماعت ظلمت کدہ ہندوستان

میں ستارۂ نور بنی رہی اور ہے اور تشنگاہ علوم نبوت کے لئے چشمۂ صافی۔ اس جماعت میں حضراتِ ذیل سرفہرست ہیں:

۱:...... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

۲:...... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔

۳:...... حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔

۴:...... حضرت مولانا محمد مظہر سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ۔

۵:...... حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ۔

۶:...... حضرت شیخ الہند مولانا محمد حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ۔

۷:...... حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبٹھوی رحمۃ اللہ علیہ۔

۸:...... حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ۔

۹:...... حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۰:...... حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۱:...... حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی۔

اس بزم وعرفان کے رکن رکین، خاندان بنوریہ کے چشم وچراغ، نابغۃ العصر، محدث کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری قدس اللہ سرہ العزیز (جن کا سانحہ ارتحال، چند دن ہوئے پیش آیا ہے) کی خدمت علم حدیث پر تفصیلی اور دیگر گرانقدر تصانیف پر اجمالی نظر ڈالنا راقم اثیم کے سپرد ہے۔ اس لئے تھوڑی سی فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے یہ چند سطور حاضر ہیں۔ مولانا کی خدمتِ حدیثِ نبوی ﷺ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ غیر منقسمہ ہندوپاک میں علم حدیث کی تاریخ کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جائے، تاکہ حضرت موصوف کے کام کا صحیح اندازہ لگایا جاسکے۔

ہندوستان میں علم حدیث

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ ۹۳ھ میں مسلمانوں نے سندھ پر حملہ کیا اور اسے فتح کیا اور یہ ملک اس وقت سے تیسری صدی ہجری کے شروع تک عربوں کے قبضہ میں رہا۔ اس طویل عرصے میں سندھ میں تابعین، اس سرزمین کو اپنے شرف قدوم سے زینت بخشتے رہے اور بعض نے یہیں سکونت اختیار کی اور یہیں دفن ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سارا عالمِ اسلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گونج رہا تھا۔ اس لئے ناممکن تھا کہ سرزمین

سندھ میں اس کی صدائے بازگشت سنائی نہ دے‘ چنانچہ اس عرصے میں جو محدثین اور رواۃ حدیث مشہور ہوئے یا جن کے اسمائے گرامی تاریخ نے محفوظ رکھے، وہ یہ ہیں۔

۱:.....اسرائیل بن موسیٰ البصری نزیل الہند۔ ۲:.....منصور بن حاتم النحوی۔

۳:.....ابراہیم بن محمد الدیبلی۔ ۴:.....احمد بن محمد المنصوری۔

۵:.....ابوالعباس، قاضی المنصورۃ‘ مؤخر الذکر نے امام داؤد ظاہری کے مذہب پر کچھ کتابیں بھی لکھیں۔

۶:.....خلف بن محمد الدیبلی۔ ۷:.....شعیب بن محمد الدیبلی۔

۸:.....ابومحمد عبداللہ المنصوری۔

۹:.....علی بن موسیٰ الدیبلی ۱۰:.....فتح محمد بن عبداللہ السندی۔

۱۱:.....محمد بن ابراہیم الدیبلی (۱)

پھر اس سرزمین کو اسی دور میں ایک محدث سے بھی شرف حاصل ہوا، جن کا نام نامی ربیع بن صبیح السعدی البصری ہے، جن کو تابعی ہونے کا شرف حاصل تھا اور جو بزمانہ مہدی خلیفہ عباسی فوج کے ایک سپاہی کی حیثیت سے سرزمین سندھ میں داخل ہوئے تھے اور جنہوں نے واپسی پر وفات پائی تھی، ربیع بن صبیح کے متعلق صاحب کشف الظنون کا بیان ہے:

”قیل ھو اول من صنف وبوب فی الاسلام“.

ترجمہ:...”کہا گیا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں تصنیف فرمائی“۔

طبقات ابن سعد میں ہے:

”خرج غازیا الی الھند فی البحر فمات فدفن فی جزیرۃ من جزائر البحر سنۃ سنین ومائۃ“.

ترجمہ:...”وہ غزا کے لئے ہندوستان میں گئے تو وہاں انتقال کیا اور کسی جزیرہ میں ۱۶۰ھ میں دفن ہوگئے۔ (۲)

ان کے علاوہ حباب بن فضالۃ تابعی، اسرائیل بن موسیٰ تبع تابعی، ابومعشر نجیع سندھی، رجاء السندھی کے نام بھی اس دور میں ملتے ہیں۔ (۳)

عرب حکومتوں کا دور ختم ہوگیا۔ اب دوسرا دور شروع ہوا‘ جس میں اسلام خشکی کے راستے سے ترکوں،

---

(۱)......”الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند“ صفحہ ۱۳۶ و ”أبجد العلوم“.

(۲)......ہندوستان میں علم حدیث مقالات سید سلیمان ندوی۔

(۳)......مقالہ مذکور

پٹھانوں، مغلوں اور ایرانیوں کے ذریعے داخل ہوا۔ یہ زمانہ چوتھی صدی کے آخر سے دسویں صدی تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ دور علم حدیث کے لئے خزاں کا دور تھا۔ منطق، فلسفہ، کلام، فقہ اور اصول فقہ کی تدریس جاری تھی، لیکن حدیث کی تعلیم سے بے اعتنائی اس دور کی خصوصیت رہی۔ اگر حدیث پڑھنے کا کسی کو شوق ہوتا تو صرف علامہ صغانی بدایونی ثم اللاہوری کی کتاب مشارق الانوار پڑھتا یا زیادہ سے زیادہ بغوی کی کتاب مصابیح یا مشاکۃ المصابیح زیر درس رہتیں۔ ان کو صرف تبرک کے لئے پڑھایا جاتا۔ مولانا حکیم عبدالحئی صاحب اس دور کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

''عرب حکومت جب سندھ سے ختم ہوگئی اور غزنوی اور غوری بادشاہوں کا دور شروع ہوا، خراسان اور ماوراء النہر سے لوگ آنے شروع ہوگئے تو علمِ حدیث اس دیار میں کبریت احمر اور عنقا کی طرح ہوگیا اور لوگوں پر، شعر، نجوم، فنون ریاضیہ نے غلبہ پالیا، علوم دینیہ میں صرف فقہ اور اصول فقہ پر اختصار کیا گیا، اور اس پر ایک طویل عہد گزر گیا۔ اہل ہند کی تگ و دو کا محور یونانی فلسفہ اور منطق بن گیا، علوم قرآن وسنت سے انحراف ان کا شیوہ ہوگیا، فقہ واصول فقہ بھی دوسرے علوم کے مقابلہ میں قلیل تھا، حدیث میں ان کی نگاہ صرف صغانی کی مشارق الانوار یا زیادہ سے زیادہ بغوی کی مصابیح، مشکوٰۃ المصابیح کی طرف جاتی تھی اور جو ان کتابوں کو پڑھ لیتا تھا وہ سمجھتا تھا کہ وہ محدثین کے درجہ تک پہنچ گیا۔ یہ صرف علم حدیث سے جہالت کا نتیجہ تھا۔ اس لئے اس دور کی کتابوں میں حدیث کا ذکر تک نہیں ملتا، یہ لوگ نہ حدیث پڑھتے تھے اور نہ اس کی تعلیم وتدریس کی طرف لوگوں کو آمادہ کرتے تھے اور نہ محدثین کو جانتے تھے۔ تھوڑے لوگ جو مشکوٰۃ وغیرہ پڑھتے تھے، وہ بھی برکت کے لئے، فہم کے لئے نہیں''۔ (۱)

دسویں صدی کا اخیر علم حدیث کے لئے بڑا خوش آئند تھا کہ اس زمانہ میں حدیث کے علماء ہندوستان کے بعض علاقوں میں اسلامی دنیا سے وارد ہوئے اور حدثنا و اخبرنا کی صدائے عطر بیز گونجنے لگی، جس سے ہندوستان معطر ہوگیا، مثلاً: شیخ عبدالمعطی بن الحسن بن عبداللہ المکی المتوفی باحمد آباد ۹۸۹ھ۔ شہاب احمد بن بدر الدین المصری المتوفی باحمد آباد ۹۹۲، شیخ محمد بن احمد بن علی الفاکہی الحنبلی المتوفی باحمد آباد ۹۹۲ھ۔ شیخ محمد بن محمد عبدالرحمٰن المالکی المصری المتوفی باحمد آباد ۹۱۹ھ، شیخ رفیع الدین الچشتی الشیرازی المتوفی باکبر آباد ۹۵۴ھ۔ شیخ ابراہیم بن احمد بن الحسن البغدادی، شیخ ضیاء الدین المدنی المدفون بکاکور، شیخ بہلول بدخشی، خواجہ میر کلاں ہروی

(۱)......''الثقافة الاسلامية فى الهند''، صفحہ ۱۳۶: ابجد العلوم۔

المتوفی ۹۸۱ھ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اسی دور میں بعض علمائے ہند نے حرمین شریفین کا علمی سفر اختیار کیا اور علوم سنت و حدیث سے آراستہ ہوکر ہندوستان واپس ہوئے اور یہاں درس وافادہ کی مجلسیں آراستہ اور گرم ہوئیں۔ ان میں چند حضرات کے نام یہ ہیں:

شیخ عبداللہ بن سعد اللہ السندیؒ، شیخ رحمت اللہ بن عبداللہ بن عبدالرحیم السندیؒ، شیخ یعقوب بن الحسن کشمیریؒ، شیخ جویر کشمیری، شیخ محمد بن طاہر فتنیؒ صاحب مجمع البحار، مؤخر الذکر نے حدیث میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ مجمع البحار، المغنی، التذکرہ فی الموضوعات آپ کی یادگار کتابیں ہیں۔ شیخ محمد طاہر کے استاذ اور شیخ علی متقی الگجراتی نے بھی حجاز کا سفر اختیار کیا تھا اور وہاں کے مشہور ومعروف اساتذہ حدیث سے علم ظاہر و باطن کی تحصیل کی تھی۔ کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال جیسی دائرۃ المعارف علم حدیث میں تصنیف فرمائی، جس نے اس نوع کی بہت سی کتابوں پر خط تنسیخ پھیر دیا۔ موصوف کی مشہور ومعروف کتاب کا زمانۂ ترتیب ۹۵۷ھ سے ۹۷۱ھ تک بتلایا جاتا ہے۔[(۱)]

دسویں صدی کے آخر میں ایک محدث سید عبدالاول الحسینی المتوفی ۹۶۸ھ کا نام بھی ملتا ہے، یہ ہندوستان میں صحیح بخاری کے سب سے پہلے شارح ہیں۔ ''فیض الباری'' کے نام سے صحیح بخاری کی شرح لکھی اور فیروز آبادی کی سفر السعادۃ کا خلاصہ کیا۔[(۲)]

گیارہویں صدی میں علم حدیث کا ایک ماہتاب شیخ عبدالحق البخاری الدھلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ کے نام سے چمکا، جس نے اکبر کے دور کی بدعت، الحاد، زندقہ کو حدیث نبوی ﷺ کے نور سے ختم کردیا۔ شیخ نے حدیث کی خدمت کی، مشکوٰۃ المصابیح کی دو شرحیں لکھیں۔ ''لمعات التنقیح'' عربی میں اور ''اشعۃ اللمعات'' فارسی میں اور ہندوستان میں عمومی طور پر حدیث کو غور وفکر اور تدبر ومعانی سے پڑھنے پڑھانے کا رواج دیا۔ شیخ کے صاحبزادوں اور شاگردوں نے بھی خدمت علم حدیث کو اپنا موضوع بنایا۔ تیسیر القاری شرح شیخ الاسلام محلیٰ حدیث میں ان کی یادگار تصانیف ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد بن عبدالاحد السرہندی کا نام نامی بھی بہ ضمن خادمانِ حدیث نبوی ﷺ ہندوستان کی تاریخ میں جلی حروف میں لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ حضرت کے صاحبزادے خواجہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ نے مشکاۃ المصابیح کی شرح لکھی۔ حضرت محمد سعید کے صاحبزادے فرخ شاہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کو ۷۰

(۱)...... ہندوستان میں علم حدیث: مقالات سید سلیمان ندوی۔

(۲)...... ایضاً۔

ہزار حدیثیں متن، سند اور جرح وتعدیل کے مباحث کے ساتھ یاد تھیں۔(۱) سلسلۂ مجددیہ کے ایک اور فرد شیخ سراج احمد سرہندی بھی ہیں، جنہوں نے فارسی زبان میں جامع ترمذی کی فاضلانہ مگر مختصر شرح لکھی اور امام ترمذی ''فی الباب'' کے عنوان سے جن احادیث کی طرف اشارہ اجمالی کرتے ہیں، ان کی تخریج کی، صاحبِ تحفۃ الاحوذی مبارک پوری کا مأخذ اس سلسلے میں یہی کتاب مستطاب ہے۔(۲)

ہندوستان میں علم حدیث کی تاریخ اپنے مراحل طے کررہی تھی اور مختلف علاقوں میں محدثین اور اصحاب حدیث خدمتِ حدیث انجام دے رہے تھے، لیکن حدیث کا علم ابھی خواص بلکہ اخص الخواص کا موضوع سخن تھا کہ علم حدیث کی تاریخ میں ایک انقلاب آتا ہے۔ یعنی حضرت شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری الدھلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ سریر آرائے مسندِ حدیث ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے ہندوستان میں متداول علوم کی تحصیل کے بعد سفر حجاز اختیار کیا۔ شیخ ابو طاہر ابن ابراھیم الکورانی سے صحاح ستہ کا درس لیا۔ شیخ ابو طاہر بھی اپنے اس ہندی شاگرد سے اس قدر متاثر ہوئے کہ برملا کہنے لگے:

''یہ مجھ سے لفظ حدیث کی تصحیح کرتے ہیں، اور میں ان سے معانی حدیث کی تصحیح کرتا ہوں۔''

ان کے خاندان میں حافظ ابن حجر کے علوم اور ان کی کتابیں موجود تھیں۔ شیخ نے اپنے سارے علوم اپنے ہونہار شاگرد کے سامنے کھول دیئے۔ حضرت شاہ صاحب بار بار فرماتے ''اقرأنی ابو طاهر نجط ابن حجر۔'' شاہ صاحب نے کتاب الأم للشافعی اور دیگر کتب شافعیہ مطالعہ کیں۔ جب واپس لوٹے تو شافعیت سے خاصے متاثر تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے ہندوستان آکر مشکاۃ المصابیح کے درس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ صحاح ستہ کا درس شروع کیا اور ظلمت کدہ ہند، حدیث نبوی کے نور سے منور ہوگیا۔ حضرت شاہ صاحب نے حدیث میں تفقہ فی الحدیث اور اسرار وحکم کا ایک نیا باب کھولا، خطابی شرح حدیث میں اور علامہ طیبی بلاغت حدیث کے ذیل میں اور امام غزالی مہلکات ومنجیات کے ضمن میں اور مہائمی تصوف اور اشارات کی زبان میں بیان کرتے تھے، لیکن اس کو مستقل فن بنادینا اور اس کے ذریعے قرآن وحدیث کی علمی مشکلات حل کرنا شاہ ولی اللہ اور ان کے فرزندانِ گرامی کا حصہ ہے۔ اسی طرح تعلق مع اللہ اور صفاء باطن کے ذریعہ علوم نبوت کا حل تلاش کرنا بھی اسی جماعت کا خاصہ ہے۔ مولانا حکیم عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

---

(۱)...... الثقافة الاسلامية فى الهند، صفحہ ۱۳۸۔

(۲)...... شروح اربعہ کے نام سے والیٔ ٹونک نواب محمد علی خاں کی علم دوستی کی بناء پر یہ کتاب چھپی تھی، کتب خانہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں اس کی دو جلدیں موجود ہیں۔

''وحصل له الفتح العظيم فى التوحيد والجانب الواسع فى السلوك ونزل على قلبه العلوم الوجدانية فوجًا فوجًا وخاض فى بحار المذاهب الاربعة واصول فقههم خوضًا بليغا ونظرا فى الاحاديث التى هى متمسكاتهم فى الاحكام وارتضى من بينها بامدا دالنور الغيبى طريق الفقهاء المحدثين''. (۱)

ترجمہ:... ''حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو توحید میں فتح عظیم اور سلوک میں حصۂ وافر حاصل ہوا اور وجدانی علوم، گروہ درگروہ ان کے قلب پر نازل ہوئے۔ مذاہب اربعہ اور ان کے اصول فقہ کے سمندر میں غوطہ زن ہوئے اور ان احادیث میں غور وفکر کیا جو ان کے احکام میں ان کے ادلّہ ہیں۔ اور نور باطن کی مدد سے فقہاء، محدثین کا طریقہ پسند کیا''۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے نظیر تفسیر فتح العزیز کے دیباچہ میں بطور تواضع فرماتے ہیں:

''هر چند استعداد بلند فطرت ارجمند و قدرت معنی آفرینی و قوت خیال گزینی وربطی بمبدأ فیاض و دلی بقواعد تصفیه مرتاض''۔(۲)

ترجمہ:... باوجود اس کے کہ کامل استعداد اور فطرت بلند اور معنی پیدا کرنے کی قدرت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق اور صفاء باطن نصیب نہ تھا۔

لیکن اس سے یہ ضرور معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نزدیک قرآن وحدیث کے فہم کے لئے تعلق مع اللہ اور صفاء باطنی ضروری ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی گوناگوں خصوصیات کے حامل آپ کے بعد آپ کے فرزند گرامی ہوئے، جن میں مسند وقت حضرت شاہ عبدالعزیز کا نام نامی سرفہرست ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لقب سراج الہند اور حجۃ اللہ ہے۔ مولانا حکیم عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ آپ کا تذکرہ اس طرح شروع کرتے ہیں:

''الشيخ الامام العالم الكبير العلامة المحدث عبدالعزيز ابن ولى الله بن عبدالرحيم العمرى الدهلوى سيد علمائنا فى زمانه ابن سيدهم''. (۳)

---

(۱) نزہۃ الخواطر، ج۶ صفحہ ۳۹۹۔

(۲) تفسیر فتح العزیز پارہ اول۔

(۳) نزہۃ الخواطر ج۷ صفحہ ۲۶۸۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے کمالات عطا کئے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ تفسیر فتح العزیز کے دیباچہ میں جن صفات کی تواضعاً نفی فرمائی ہے‘ وہ سب صفات آپ میں بدرجہ اتم موجود تھے۔

صاحب ”الیانع الجنی“ لکھتے ہیں:

”انہ قد بلغ من الکمال والشهرة بحیث تری الناس فی مدن اقطار الهند یفتخرون باعتزائهم الیه وانسلاکهم فی سمط من ینتمی الیٰ اصحابه“. (۱)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کمال اور شہرت کے اس درجہ پر پہنچ گئے تھے کہ ہندوستان کے مختلف اہل شہران کی طرف نسبت اور ان کے شاگردوں کے زمرہ میں شامل ہونے پر فخر کرتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث اپنے والد ماجد صاحب سے پڑھی‘ والد ماجد کی وفات کے بعد شیخ نوراللہ بڑھانوی اور شیخ محمد امین کشمیری سے کچھ کتابیں حدیث کی پڑھیں۔ شیخ محمد عاشق بن عبیداللہ پھلتی نے اجازت دی۔ مؤخرالذکر حضرت شاہ ولی اللہ کے اجلہ تلامذہ میں سے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے عامی کے لئے تقلید مذہب معین کو ضروری قرار دیا اور مذہب حنفی کو اختیار کیا۔ مذہب حنفی کے کچھ قواعد کی تشریح کی اور واضح طور پر تحریر فرمایا کہ حنفیہ احادیث کلیہ جو بطور قواعد وارد ہوئی ہیں (۲) ان کی حفاظت کرتے ہیں اور جو ان کے خلاف بطور جزئیات وارد ہوئی ہیں، ان کی تاویل کردیتے ہیں یا شاذ سمجھتے ہیں۔ اسی طرح تلفیق بین المذاہب کی ممانعت کی، اجتہاد کے لئے کڑی شرطیں عائد کیں۔ (۳)

راقم آثم کو یاد پڑتا ہے کہ کہیں حضرت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کسی نے پوچھا کہ فرق میان مذہب حنفی و شافعی چیست؟ گفت مذہب حنفی کلی است، و مذہب شافعی جزئی است۔ یعنی دونوں مذہبوں میں فرق یہ ہے کہ مذہب شافعی جزوی ہے اور مذہب حنفی کلی ہے۔ حضرات شوافع جزئیات سے متاثر ہوکر احادیث کلیہ میں ترمیم اور استثناء کرتے رہتے ہیں۔ البتہ حنفیہ احادیث کلیہ کی حفاظت کرکے جزئیات میں تاویل کردیتے ہیں۔ اس طرح حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کو عدم تقلید اور تلفیق بین المذاہب کے فتنے سے بچالیا۔ عدمِ تقلید‘ سلف کے ساتھ بے ادبی، گستاخی کبھی انکارِ حدیث، بلکہ الحاد اور زندقہ کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کی شہادت منکرینِ حدیث کی تاریخ سے مل سکتی ہے جو زیادہ تر غیر مقلد تھے۔ تلفیق بین المذاہب کا نتیجہ اتباع ہویٰ کے سوا کچھ نہیں۔ حضرت مولانا بنوری قدس اللہ سرہ العزیز حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے مداح

---

(۱)...... الیانع الجنی فی السانید الشیخ عبدالغنی۔

(۲)......فتاویٰ شاہ عبدالعزیزؒ اردو ترجمہ، صفحہ:۳۸۹۔

(۳)......کتاب مذکورہ، صفحہ:۴۰۲۔

تھے، بار بار اپنے دروس اور مجالس میں فرمایا کرتے تھے:

''اگر کسی شخص کو آنکھیں بند کر کے مقتدیٰ اور امام بنایا جا سکتا ہے تو وہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں، کیونکہ موصوف علم ظاہر و باطن کے جامع اور فقہ و کلام میں مسلک اعتدال پر عامل تھے۔''

ایک صاحب مصر کی الازہر یونیورسٹی سے علوم قرآنی میں تخصص کر کے آئے تو ان سے دریافت کیا کہ نسخ کی مختلف صورتوں کی حکمت پر روشنی ڈالئے۔ جب وہ عاجز ہوئے تو فرمایا کہ:

''حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور مختلف صورتوں کی حکم و مصالح اس طرح تحریر فرمائی ہیں کہ کہیں کسی کتاب میں دیکھنے میں نہیں آئیں۔''

اپنے شیخ حضرت انور شاہ الکشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے تھے:

''حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر فتح العزیز مکمل ہو جاتی تو کسی تفسیر کی حاجت نہیں رہتی۔''

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے ''الابواب والتراجم'' کے متعلق فرمایا کرتے تھے:

''اگر اس طرف حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ توجہ فرماتے تو حق ادا ہو جاتا۔''

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کے برادران جلیل الشان شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور ایک عالم نے علومِ حدیث حاصل کئے۔ حضرت شاہ محمد اسحٰق نے جو اپنے زمانے میں مسند وقت تھے، حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی اور طویل عرصہ تک ساتھ رہے۔ حضرت شاہ محمد اسحٰق کے متعلق مولانا حکیم عبدالحئ رحمۃ اللہ علیہ رقم فرما ہیں: ''انتهت اليه رياسة الحديث فى الهند''

ترجمہ:... ''حضرت شاہ محمد اسحٰق پر علم حدیث کی ریاست ختم ہو گئی''۔

حضرت شاہ محمد اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدنی المتوفی: ۱۲۹۶ھ مسند وقت تھے، شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک جہان فیضیاب ہوا۔ خاندان ولی اللہی کے بعد حق و صداقت، علم و عرفان، صدق و صفا، علوم دینیہ خصوصاً قرآن کریم و حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس اور درس و افادہ کی خلافت حضرات علماء دیوبند و سہارنپور کی طرف منتقل ہوئی۔ حضرات علماء دیوبند و سہارنپور نے سو سال تک تجدید کا کام کیا ہے اور جیسا کہ ہم نے تمہید میں لکھا تھا کہ اس جماعت نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد نبوت و بعثت کو بدرجہ اتم پورا فرمایا۔ بہ سلسلہ علومِ حدیث اس جماعت میں سرفہرست محدث کبیر، فقیہ بے عدیل حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی، حضرت گنگوہی آیۃ من آیات اللہ تھے۔ آپ کے متعلق مولانا حکیم عبدالحئ لکھتے ہیں:

"منهم الشيخ رشيد احمد الگنگوهي المتوفى: ۱۳۲۳ھ اخذ عن الشيخ عبدالغنى المذكور و درس ثلاثين سنة، وكان تدريسه للامهات الست فى سنة كاملة على وجه التدبر والاتقان والضبط والتحقيق لايعاد له فى ذلك احد من معاصريه". (۱)

ترجمہ:... "شیخ رشید احمد گنگوہی المتوفی: ۱۳۲۳ھ آپ نے حدیث حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی اور ۳۰ سال تک حدیث کا درس دیا۔ ایک سال میں صحاح ستہ کا درس دیا کرتے تھے' کامل غور وفکر، پختگی اور تحقیق کے ساتھ' ان کے معاصرین میں سے کوئی بھی ان کے ہم پلہ نہیں تھا"۔

حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز سے حضراتِ ذیل فیضیاب ہوئے:

۱:...... حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ المہاجر مدنی شارح ابی داؤد۔

۲:...... حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ۔

۳:...... حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔

۴:...... حضرت مولانا محمد صدیق الانبٹھوی رحمۃ اللہ علیہ۔

۵:...... شاہ محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نگینوی۔

۶:...... حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ' والد ماجد شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہ۔ (۲)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ومعارف خصوصاً بہ سلسلہ علم حدیث کے باقی رکھنے کا سہرا حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کے سر پر ہے کہ آپ نے بخاری وترمذی کی تقاریر قلمبند فرمائیں۔ پھر آپ کے نجل مسعود حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے ان کی ایضاح وتوضیح اور شرح وتخریج کے ساتھ شائع کیں۔ الکوکب الدری دو جلدوں میں اور لامع الدراری شرح البخاری دس جلدوں میں ترتیب دی، علوم رشیدی کے یہ جواہر ریزے محفوظ ہوگئے۔ علماء حدیث کے اساتذہ وطلبہ ان دونوں حضرات کے احسان علمی کو کبھی فراموش نہیں کریں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تفقہ فی الحدیث کا جو پودا لگایا تھا' حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تناور درخت بنادیا۔ اسی طرح نور باطن اور تعلق مع اللہ سے حدیث سمجھنے کا سلسلہ حضرت گنگوہی پر ختم ہوگیا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے فقاہتِ نفس سے سرفراز فرمایا تھا۔ مسلک حنفی کو ادلہ حدیث

---

(۱)...... الشقافة الاسلاميه فى الهند۔

(۲) مقدمۃ لامع الدراری۔

سے ثابت کرنا اور جو حدیث بظاہر مخالف نظر آئے اس کا جواب دینا، حضرت گنگوہی نے اس فریضہ کو کامیابی سے ادا کیا۔ اس کے علاوہ فقہاء حنفیہ متاخرین کی تفریعات جو حدیث کے خلاف تھیں، ان کی فقہ حنفی سے برأت کی، علاوہ ازیں فقہ میں توسع اور تضیق کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کی۔ شراح حدیث: ابن بطال، مہلب، ابن التین، ابن المنیر، قاضی عیاض، خطابی، ابن حجر، عینی رحمہم اللہ سے بہتر احادیث کی شرح کی۔

الکوکب الدری اور لامع الدراری میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ خصوصاً لامع میں حل تراجم کے سلسلے میں حضرت گنگوہی کی ایسی توجیہات ہیں کہ عقل حیران ہے۔ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہم اللہ تعالیٰ کی توجیہات سے فائق ہیں۔ یہ مضمون فرصت کا متقاضی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کے علوم و جواہر ظاہر کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی کی فقاہتِ نفس کا بار بار اظہار فرمایا کرتے تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھی اور دارالعلوم دیوبند کی مسند صدارت پر رونق افروز ہوئے۔ حضرت شیخ الہند سے ایک عالم فیض یاب ہوا۔ جن میں حضرت مولانا محمد انور شاہ الکشمیری ثم الدیوبندی خصوصیات کے حامل ہیں، جن کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی۔

محدث کبیر حضرت مولانا بنوریؒ

نام ونسب

حضرت مولانا نے اپنا نسب مفتی غلام سرور کی کتاب خزینۃ الاصفیاء کے ابتدائی اوراق پر اپنے قلم سے اس طرح تحریر فرمایا ہے:

احقر محمد یوسف بن محمد زکریا بن سید مزمل شاہ بن سید میر احمد شاہ بن سید میر موسیٰ بن سید غلام حبیب بن سید رحمت اللہ شاہ بن سید عبدالاحد بن حضرت سید محمد اولیاء بن سید السادات شیخ المشائخ صفوۃ الشجرۃ النبویۃ معدن علوم الاولین والآخرین، قطب الاقطاب سلطان العارفین حاجی الحرمین الشریفین مخزن اسرار الٰہی السید آدم بنوری (علیہ وعلیٰ اولادہ الی یوم القیامۃ من اللہ الرحمۃ والرضوان) بن سید اسمٰعیل بن سید یہوا ابن سید حاجی یوسف بن سید یعقوب بن سید حسین بن سید دولت بن سید قلیل بن سید سعدی بن سید قلندر کہ از فرزندان حضرت سید محمد کہ از اولاد سید اسمٰعیل ولد ابراہیم برادر خورد امام حضرت موسیٰ بن حضرت امام موسیٰ کاظم بن سید امام جعفر صادق بن سید امام باقر بن سید امام زین العابدین بن سید شہاب اہل الجنۃ قرۃ العینین لرسول الثقلین الحسین بن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ (امہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا بنت نبی الانبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ واز کی

التحیات واتم السلام) انتھیٰ بلفظہ۔

اور مولانا محمود حسن خان ٹونکی نے حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا نسب آدم اول علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام تک پہنچایا ہے۔ (۱)

حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اجلہ خلفاء میں سے تھے۔ حضرت مجدد رحمہ اللہ کے سیرت نگار' خواجہ محمد معصوم کے بعد آپ کا نام نامی لکھتے ہیں۔

''بنور'' ریاست پٹیالہ میں سرہند کے قریب ایک قصبے کا نام ہے' حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرہند جاتے قصبہ ''بنور'' دیکھا تھا۔ حضرت آدم رحمۃ اللہ علیہ کے مکان' خانقاہ اور لنگر خانے کے آثار موجود تھے۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں ایک دن حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا ہوا ''مرقاۃ الطارم فی حدوث العالم'' کے حوالے ''اسفارِ اربعہ للشیرازی'' سے نکال رہا تھا کہ مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی تشریف لائے' حضرت محدث نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے میرا تعارف کرایا کہ یہ حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں' صاحب سواد ہیں، یہ جو کام کررہے ہیں' مشکل کام ہے، میرا ایک قصیدہ ہے، جس کا موضوع اثبات باری تعالیٰ ہے' لیکن مجھے اس نام میں شناعت معلوم ہوئی، اس لئے ''مرقاۃ الطارم فی حدوث العالم'' نام رکھا ہے۔ یہ صاحب اس کے حوالے نکال رہے ہیں' ان کے خاندان میں حضرت آدم رحمۃ اللہ علیہ کی بعض کتابیں بھی ہیں۔''

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں جب دیوبند گیا تو اساتذہ دارالعلوم نے عزت واحترام سے میری پذیرائی کی اور کہا گیا کہ تم تو ہمارے پیرزادہ ہو۔''

مولانا محمود حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ ٹونکی سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کہتے ہیں:

''وھو اعظم خلفاء الشیخ احمد السرھندی وکان من اجلۃ الصوفیاء من اھل الصفا' وکان کبیر المشائخ' لہ شأن عال' واحوال سامیۃ' ولہ یدطولیٰ فی تربیۃ المریدین الطلبۃ' وکان یوصل اھل العالم السفلی الی الملأ الاعلیٰ فی ادنیٰ مرۃ''. (۲)

(۱)......معجم المصنفین' ج:۲
(۲)......معجم المصنفین' ج:۲

ترجمہ:...آپ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے اجلہ خلفاء میں سے تھے اور بڑے صوفی صافی کبیر القدر شیخ تھے، آپ کی شان بلند، احوال اونچے، مریدین اور طالبانِ ہدایت کی تربیت میں مہارت تھی، تھوڑی سی مدت میں زمین والوں کو ملأ اعلیٰ تک پہنچا دیتے تھے“۔

حضرت مولانا فرماتے تھے:

”ہمارے شیخ حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: حضرت آدم رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ملکات اپنے شیخ سے بھی بلند تھے اور ان کا طریقہ زیادہ لطیف تھا“

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ بیعت و ارشاد بھی ”آدمیہ“ تھا۔ یعنی حضرت شاہ صاحب اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سے بیعت تھے، حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ صاحب، حافظ عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور حضرت حافظ عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ اسی طرح حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے جدِ امجد حضرت شاہ علم اللہ بھی حضرت آدم رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تو بڑے فخر و مباہات سے فرماتے تھے ”ما آدمیان ایم“ (۱) غرض ہندوستان کے یہ دو بڑے گھرانے (جن سے ہندوستان کی ظلمتیں دور ہوئیں، علمِ دین کے چراغ روشن ہوئے، حدیث و سنت کا احیاء ہوا، جہاد بالسیف اور جہاد باللسان والقلم کا فریضہ ادا ہوا) حضرت آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ (۲)

بنوری خاندان کے کچھ لوگ پشاور ”گڑھی میر احمد شاہ“ اور ”بھانہ ماڑی“ میں اور کچھ لوگ شہر کوہاٹ میں آباد ہیں۔ گڑھی میر احمد شاہ کے بانی سید میر احمد شاہ پشاور شہر کے مشاہیر اور اہل صفاء میں سے تھے۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد مولانا سید محمد زکریا جید عالم، حاذق طبیب، تعبیر رؤیا کے امام اور صاحب حال بزرگ تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں، بعض طبع ہو چکی ہیں اور بعض غیر مطبوعہ ہیں۔ ان کتابوں میں سے بعض عربی میں لکھی ہیں اور بعض اردو میں۔ اس لحاظ سے حضرت مولانا کا خاندان ”این خانہ ہمہ آفتاب است“ کا مصداق تھا۔ مولانا کی دادی سیدہ فاطمہ ولیہ تھیں۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ان کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ مولانا کو دعاؤں کا ذوق ان ہی سے حاصل ہوا تھا۔ فرماتے تھے کہ: میں نے بہت چھوٹی عمر میں ظفر جلیل شرح حصن حصین

---

(۱)......ملاحظہ ہو: ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، طبع میرٹھ۔

(۲)......حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو: خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور لاہوری۔ حضرات القدس نزہۃ الخواطر ج:۲ و انفاس رحیمیہ از شاہ عبدالرحیم قدس اللہ سرہ، حضرت شاہ علم اللہ کے لئے ملاحظہ ہو: سیرۃ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ، از مولانا ابوالحسن علی ندوی۔

از نواب قطب الدین دہلوی پڑھی تھی۔ اس کتاب سے دعائیں بھی یاد کیں اور اردو بھی سیکھی۔

مولانا محمد زکریا کی ہمشیرہ یعنی مولانا علیہ الرحمہ کی پھوپھی سیدہ مریم بھی صاحبِ کرامات ولیہ تھیں۔ حضرت مریم کی طرح بے وقت میوے ان کے پاس آتے تھے۔ انہوں نے حضرت بنوری کو بڑی دعائیں دی تھیں۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے والد سید محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ یعنی مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی دادی محمد زئی ذراقی شاہی خاندان سے تھیں' ان کے خاندان کو جلال آباد کے پاس خوگیانی مقام میں ایک باغ بھی امیر حبیب اللہ نے عطا کیا تھا' جس میں انہوں نے انار کا باغ لگایا' بعد میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ اسی تعلق سے بہت چھوٹی عمر میں کابل تشریف لے گئے' جس کی وجہ سے فارسی' آپ کی مادری زبان جیسی ہوگئی تھی' بعد میں مولانا اپنے ماموں فضل ہمدانی کے ہمراہ پشاور آئے۔ یہاں آ کر پشاور کے بعض علماء سے صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں' اس سلسلہ میں مولانا بعض واقعات سنایا کرتے تھے کہ کس طرح ابتدائی تعلیم میں آپ کو مشکلات پیش آئیں' معمولی سا سبق لینے کے لئے اپنی بستی سے کافی دور جانا پڑتا تھا' صبح سویرے سردی کے زمانہ میں سبز چائے اور مکئی کی روٹی کا ناشتہ کر کے اتنی دور جانا پڑتا تھا' یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا کے والد مکرم تارک الدنیا ہو کر سیاحت اور خانہ بدوشی کی زندگی گزار رہے تھے' جنگلوں میں چلہ کشی آپ کا مشغلہ تھا' مولانا کو یہ شکایت ہمیشہ رہی کہ میری ابتدائی تعلیم باقاعدہ نہیں ہوئی اور والد ماجد کو میری مطلق فکر نہ تھی' لیکن قدرت کو اس چمن کی خود آبیاری کرنا تھی:

میری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنا بندی

چنانچہ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی ذکاوت اور حافظہ عطا فرمایا تھا' اس لئے جو کچھ پڑھتے' یاد ہو جاتا تھا۔ جب شمسیہ کی شرح قطبی پڑھی تو اس کا دیباچہ ادبیت کے لحاظ سے ممتاز تھا، اسے یاد کرلیا۔ غالباً یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اسی زمانہ میں مولانا کے کسی بھائی کا چھوٹی عمر میں انتقال ہوا تو مولانا نے عربی میں مرثیہ لکھا۔ مولانا کے صرف کے استاذ مولانا حافظ عبداللہ ساکن لنڈی ارباب تھے، جو بعد میں شہید کردیئے گئے۔ مولانا نے ابن حاجب کی شافیہ بھی پڑھی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ: میں نے تجوید کسی سے نہیں پڑھی' لیکن شافیہ کی مدد سے قرأۃ وتجوید میں کافی درک حاصل ہوا۔ چنانچہ ہمیشہ قرأت وتجوید کی بحثوں میں حصہ لیتے تھے اور اس سلسلہ میں بہت ہی صائب رائے رکھتے تھے۔ اس کے بعد پھر دوبارہ کابل تشریف لے گئے' وہاں قاضی مرافعہ مولانا عبدالقدیر صاحب کا ذکر کرتے تھے کہ: ان سے منطق کی کتابیں، میر زاہد، ملا جلال اور بعض دوسری کتابیں پڑھیں۔ کنز ثانی قاضی صاحب سے پڑھی۔ قاضی صاحب ہدایہ اخیرین پڑھاتے تھے اور مولانا صرف سنا کرتے تھے' لیکن ہدایہ اخیرین پڑھنے والوں سے زیادہ سمجھتے تھے اور اس کے مباحث اب تک یاد تھے۔ شروط ودعویٰ کے

متعلق مفصل تقریر فرماتے اور کہتے کہ یہ سب کچھ مجھے اسی زمانہ سے یاد ہے۔ کابل کے زمانہ قیام میں امیر امان اللہ خان کے کسی وزیر سے تعارف ہوگیا تھا، جس کو جدید مصری ادب سے شغف تھا' اس نے مولانا کی ذہانت اور فطانت دیکھ کر آپ کو ادبِ جدید کی کچھ کتابیں بھی دی تھیں۔

کابل سے واپسی کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے مشکوٰۃ المصابیح کے درجہ میں داخلہ لیا۔ فرمایا کرتے تھے کہ: میں نے مشکوٰۃ کے ساتھ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ''حجة الله البالغه'' اور ابن رشد کی ''بداية المجتهد'' کا مطالعہ کیا تھا۔ یہ دونوں کتابیں میرے پاس اپنی نہ تھیں' اس لئے بمبئی سے منگوائیں اور جب وہ کتابیں ڈاک سے وصول ہوئیں تو مجھے بہت خوشی ہوئی۔ حجۃ اللہ البالغہ کا یہ نسخہ کتب خانہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ (جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن) میں محفوظ ہے' جگہ جگہ اس کے حواشی پر مولانا کی تحریرات ہیں' دیوبند کے ابتدائی قیام کے زمانہ کے مولانا بہت سے واقعات سناتے تھے جو راقم کو محفوظ ہیں' لیکن تطویل کی بناء پر ترک کرتا ہوں۔

مولانا نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے سب سے پہلے مؤطا امام مالک پڑھی۔ واقعہ یوں ہوا کہ جب دیوبند میں اختلاف واقع ہوا تو حضرت شاہ صاحب نے تدریس دار العلوم ترک کردی۔ طلباء کا ایک جم غفیر ساتھ تھا۔ دار العلوم میں حضرت مدنی قدس اللہ سرہ العزیز نے بخاری و ترمذی شروع کرادی' طلباء کا اصرار ہوا کہ حضرت شاہ صاحب بھی یہی دو کتابیں شروع کرادیں' لیکن آپ نے فرمایا کہ: میں صرف وہ کتاب پڑھا سکتا ہوں جو دار العلوم میں شروع نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ مؤطا امام مالک شروع نہیں ہوئی' چنانچہ مؤطا شروع کرادی' مولانا بھی سبق میں شریک ہوئے۔ پہلے دن ہی درس کے دوران عالم مثال کا ذکر فرمایا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ایک اعتراض کیا۔ فرماتے تھے کہ حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر مجھے غور سے دیکھا اور فرمایا کہ: یہ آپ کہاں سے کہہ رہے ہیں؟ میں نے حجۃ اللہ کا حوالہ دیا۔ حضرت نے اول حجۃ اللہ کی تقریر کی، پھر اس کو رد کیا اور فرمایا کہ: شاہ صاحب کی یہ تحقیق مرجوح ہے۔ خود حضرت دہلوی نے دوسری کتابوں میں اس سے زیادہ تحقیق سے بیان کیا ہے اور وہ تحقیق راجح ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ: یہ سب سے پہلا نقش تھا جو استاد کی حذاقت و مہارت کا میرے دل پر پڑا' پھر اس میں اضافہ ہی ہوتا رہا' بعد میں حضرت شاہ صاحب ڈابھیل تشریف لے گئے تو مولانا بھی ساتھ گئے۔ فرماتے تھے کہ: حضرت شاہ صاحب کے درس کے انتظار میں منٹ اور سیکنڈ تک شمار کرتا تھا اور درس میں اس طرح شریک ہوتا تھا کہ ایک ایک حرف اور استاذ کی ایک ایک حرکت و سکون تک یاد ہوتی تھی' ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرا قلب شاہ صاحب کے علوم کو جذب کررہا ہے' درحقیقت استاذ گرامی کے علوم کا یہی انعکاس تھا جس نے حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو محدث کبیر بنادیا۔ فرماتے تھے کہ: میں نے ڈابھیل

میں حضرت شاہ صاحب سے ترمذی ''باب مس الذکر '' تک اور بخاری ''باب حب الانصار من الایمان '' تک پڑھی تھی۔ اس کے بعد حضرت شیخ بیمار ہوکر دیوبند تشریف لے گئے، فرماتے تھے کہ: بظاہر میں حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں اقل استفادۃً ہوں، لیکن شیخ سے عشق ومحبت نے علوم سے مناسبت تامہ پیدا کردی تھی، بعد میں حضرت مولانا کی رفاقت حضرت شاہ صاحب کے ساتھ فراغتِ دورۂ حدیث کے بعد کچھ عرصہ دیوبند میں، اس کے بعد چھ سات ماہ کشمیر میں رہی۔ اس کا واقعہ سناتے تھے کہ:

''حضرت شاہ صاحب بیماری کی وجہ سے ڈابھیل سے دیوبند تشریف لے آئے، فراغت کے بعد میں بھی دیوبند آیا اور حضرت الاستاذ کی خدمت میں ایک عریضہ عربی میں تحریر کیا کہ میں آپ سے اور آپ کے علوم سے استفادہ کا متمنی ہوں، میں نے عربی تحریر میں جس قدر زور پیدا ہوسکتا تھا، پیدا کیا۔ شیخ سے قلبی تعلق کا اظہار کیا اور اپنی تشنگی علم کا ذکر کیا۔ حضرت شاہ صاحب اپنے مکان پر تشریف فرما تھے۔ عریضہ دیکھ کر فرمایا کہ: ادب کہاں پڑھا ہے؟ میں نے عرض کیا: کہیں نہیں۔ فرمایا: آپ کو ادب پڑھنے کی حاجت نہیں۔ پھر حکم دیا کہ بدھ کے دن دیوبند میں جو بازار لگتا ہے، وہاں سے ایک چٹائی خرید کر لانا، میں چٹائی خرید لایا۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنی کتاب ''مرقاۃ الطارم فی حدوث العالم ''حوالہ کی اور فرمایا: اس کے حوالہ جات ''اسفار اربعہ للشیرازی'' سے نکالو۔ حالانکہ مشکل کام تھا، لیکن مجھے بحمد اللہ! کوئی دقت نہیں ہوئی۔ (اس سلسلہ میں مولانا حبیب الرحمن شیروانی کا واقعہ پیش آیا، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے)۔''

مولانا یہ کام کررہے تھے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو کشمیر کا سفر درپیش ہوا، مولانا بنوری رحمہ اللہ نے ساتھ جانے کا اشتیاق ظاہر کیا اور اجازت چاہی، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ آپ کے اشتیاق و عقیدت سے واقف تھے، اجازت دے دی اور مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ رہے۔ اس سفر اور کشمیر میں قیام کے حالات ایک خاص انداز میں بیان فرمایا کرتے تھے۔ اپنے شیخ کے ساتھ والہانہ عشق کے واقعات مزے لے کر سناتے تھے۔ اسی سفر میں مولانا نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ اور کتابیں بھی پڑھیں۔ مطول اور شرح سلم بحر العلوم کا نام لیتے تھے، یہ دونوں کتابیں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بھائی سیف اللہ شاہ کے لئے شروع کرائی تھیں، مولانا بھی شریک درس ہوگئے تھے۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: میرا یہ سفر حاصل زندگی تھا، میرے شب و روز کا ایک منٹ اور ایک سیکنڈ بھی حوائج ضروریہ کے علاوہ شیخ کے علوم کے لئے وقف تھا۔ بہترین صحت، جوانی کا زمانہ، کشمیر کی آب وہوا، اچھی غذا جس کی بنا پر نیند آتی تھی، لیکن میں دو اڑھائی گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتا تھا، کشمیر میں سردی کافی تھی، مگر رات کے اڑھائی تین بجے اٹھ جاتا اور شیخ کے لئے پانی گرم کرتا اور وضو کا انتظام کرتا، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شیخ اٹھ جائیں اور میں ابھی بیدار نہ ہوا ہوں۔ اسی زمانے کے

دو واقعے بیان کرتے تھے:

۱:-ایک تو یہ کہ رمضان کا زمانہ تھا، میں حسبِ معمول ظہر کی نماز کے بعد حوالہ جات کا کام کرتا تھا اور شیخ تلاوت کچھ بلند آواز سے فرماتے۔ شیخ جب تلاوت کرتے تو میں شیخ کی لذیذ قرأۃ سے روح وقلب کو شاد کام بناتا اور اپنا کام تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دیتا، پھر شیخ جب آیات قرآنیہ میں تفکر وتدبر کرنے لگتے تو جلدی جلدی اپنا کام کرلیتا۔ ایک روز شیخ اسی طرح تفکر کررہے تھے کہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''سامنے الماری میں فتح الباری رکھی ہے، اس کی فلاں جلد اور فلاں صفحہ پر دیکھئے کہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ مسند احمد کے حوالہ سے حافظ ابن حجر نے نقل کی ہے یا ابن حبان کے حوالہ سے؟''

میں نے حسبِ ہدایت دیکھ کر عرض کیا کہ صحیح ابن حبان کے حوالے سے نقل کی ہے اور پھر تلاوت میں مشغول ہوگئے۔ اسی زمانہ میں مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فتوے کا کام بھی کیا۔ حضرت محدث کشمیری کے پاس استفتاء آتے تھے، آپ ضروری ہدایات دے کر مولانا بنوری کو جواب لکھنے کا حکم فرماتے اور ''الجواب صواب'' لکھ کر دستخط فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ: اس عرصہ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے میرے تحریر کردہ فتویٰ پر دستخط نہ کئے ہوں اور اتفاق نہ کیا ہو۔ ایک مرتبہ طلاق کا کوئی فتویٰ آیا جس کے بارے میں علماء کشمیر میں شدید اختلاف ہوگیا تھا۔ ایک فریق عدم وقوع طلاق کا مدعی تھا اور دوسرا فریق وقوع طلاق کا۔ پہلا فریق ''فتاویٰ عمادیہ'' کی عبارت سے استدلال کرتا تھا۔ جب یہ اختلافی فتویٰ آیا تو حضرت شاہ صاحب متفکر ہوگئے کہ اس مسئلہ میں قضاء کی ضرورت ہے اور تحقیق واقعہ کے بغیر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، تحقیق واقعہ میں مشکلات تھیں، اس لئے حضرت شیخ متفکر ہوگئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

''حضرت! آپ قاضی بنتے ہیں؟ مفتی بن کر فتویٰ تحریر فرمادیں۔''

شیخ کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا اور فرمایا کہ: یہ بات ٹھیک ہے۔ اور مجھ سے کہا کہ: آپ جواب لکھئے، اور اس میں یہ بھی لکھیں کہ فتاویٰ العمادیہ کی عبارت سے جو فریق استدلال کررہا ہے وہ غلط ہے، کیونکہ ''العمادیہ'' کا صحیح مخطوط میں نے کتب خانہ دارالعلوم دیوبند میں دیکھا ہے، اس میں یہ عبارت نہیں ہے۔ اس لئے یا تو یہ تصحیف ہے یا تدلیس۔ میں نے شیخ کی ہدایت کے بموجب جواب لکھا۔ شیخ نے بہت پسند کیا اور ایک حرف بھی تبدیل نہیں کیا اور جب اس جملہ پر پہنچے: **وقد طالع الشيخ الحبر الجر مولانا محمد انور شاه الفتاوى العمادية** الخ تو غصہ ہوگئے اور فرمایا: قلم لائیے! اور لفظ الحبر ،البحر کو قلم زد کیا اور کہا کہ: آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے۔ (۱)

(۱) **نفحة العنبر في هدى الشيخ الانور**، ص:۲۸ پر یہی واقعہ تحریر ہے۔

۲:...اسی زمانہ قیام کا یہ واقعہ بھی سناتے تھے کہ میں نے عرض کیا: حضرت میں جو کام کر رہا ہوں' اس میں مولوی سیف اللہ شاہ کو بھی شریک کر لیا جائے تو بہتر ہے۔ فرمایا: ''آپ جو کام کر رہے ہیں سیف اللہ شاہ ایک دن بھی کرے گا تو چیخ اٹھے گا۔''

(انتهى بلفظ الشيخ وهكذا كان يقول الشيخ البنورى بعد هذه الحكاية)

محدث کبیر حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے اساتذہ سے بھی پڑھا تھا۔ ابتدائی دور کے دو استاذوں کے نام پہلے ذکر بھی کئے جا چکے ہیں۔ دیوبند اور ڈابھیل میں بعض اساتذہ سے پڑھا۔ مثلاً: دیوبند میں مسلم الثبوت حضرت مولانا رسول خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، مشکوٰۃ المصابیح حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ سے، جلالین مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ سے، مقاماتِ حریری مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ حضرت شاہ صاحب کی بیماری کے بعد جامع ترمذی مولانا شبیر احمد عثمانی شارح مسلم اور بخاری مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہی سے۔ اپنی بے نظیر شرح ترمذی' معارف السنن میں حضرت مولانا عثمانی کا نام ''شیخنا'' کہہ کر بڑے ادب واحترام سے لیتے ہیں۔

حضرت مولانا اپنے اساتذہ کا ادب واحترام فرماتے اور ہر شخص کے کمالات کے معترف تھے اور فروق بین الرجال کے تو امام تھے۔ شخصی تحلیل وتجزیہ میں کمال رکھتے تھے' لیکن عالم کامل صرف حضرت شاہ صاحب کو سمجھتے تھے۔ ان کے نبوغ، کمال فی العلم، غداقت کے سامنے ان کی نگاہ میں کوئی نہیں تھا۔ حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ سے ان کی محفلیں آباد رہتی تھیں' انہیں کا تذکرہ زبان پر جاری رہتا تھا۔ کبھی کبھی فرماتے تھے کہ مجھ سے کوئی انورشاہ کے متعلق پوچھے تو میں یہ کہوں گا: **عالماً صالحاً**' لیکن عالماً کے معنی یہ ہوں گے: **كان غيره ليس بعالم**. محدث کشمیری کے متعلق یہ بھی فرماتے تھے کہ: مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ آپ کو کن علوم میں امامت کا درجہ حاصل تھا تو میں کہوں گا۔ ا:...عربیت۔ ۲:...فقہ۔

ان دونوں میں امام سمجھتے تھے۔ الغرض مولانا نے اپنی نظر وقلب میں صرف انورشاہ ہی کو پوری طرح سمو لیا تھا اور وہی ان کے یہاں مثالی شخصیت تھی۔ دوسری شخصیت جن سے مولانا متاثر تھے وہ علامہ محمد زاہد الکوثری تھے' ان دونوں حضرات کا مختصر تذکرہ ہدیہ ناظرین ہے۔

امام العصر مولانا محمد انورشاہ کشمیری ثم دیوبندیؒ

حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن قدس اللہ سرہ کے تلامذہ میں سب سے زیادہ باموردر حدیث وسنت نبوی ﷺ کی نسبت کے حامل اور قدماء محدثین کی طرح واسع الاطلاع حضرت محدث کشمیری ہیں۔

آپ ۱۲۹۲ھ میں کشمیر کی ایک بستی ’’ودوان‘‘ میں پیدا ہوئے۔ کشمیر کے علماء سے ابتدائی اور متوسطات پڑھنے کے بعد ہزارہ کے علماء سے فنون پڑھے اور اس کے بعد دارالعلوم دیوبند پہنچے۔ اس وقت دارالعلوم دیوبند کی صدارت تدریس اور مسند حدیث حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس اللہ سرہ سے آراستہ تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ علوم قرآن وحدیث اور حقائق ومعارف سے سرشار اور اس نسبت کے حامل تھے جو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خانوادۂ علم وعرفان کا طرۂ امتیاز تھا اور جس کی طرف گزشتہ صفحات میں روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے تلمذ تھا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اگر علوم قرآن وسنت اور تفقہ فی النفس کے امام تھے تو دوسری طرف حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ معارف وحقائق واسرارِ شریعت وتکوین کے ناپیدا کنار سمندر تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں چشموں سے سیراب تھے‘ پھر تعلق مع اللہ اور نورِ ایمان نے قلب ونظر کو روشن کردیا تھا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث نبوی ﷺ میں حذاقت اور مہارت کی جھلک ہم صحیح بخاری کے الابواب والتراجم میں دیکھ سکتے ہیں۔ ابن خلدون مغربی نے اپنے مقدمہ تاریخ میں لکھا ہے:

’’لقد سمعت کثیرا من شیوخنا رحمهم اللّٰه تعالیٰ یقولون شرح کتاب البخاری دین علی الامة‘ یعنون ان احداً من علماء الامة لم یوف مایجب له من الشرح بهذا الاعتبار‘‘۔

ترجمہ:... ’’میں نے اپنے بہت سے شیوخ سے سنا کہ صحیح بخاری کی شرح امت پر قرض ہے۔ یعنی کسی نے بھی اس کا وہ حق ادا نہیں کیا جس کی وہ مستحق تھی‘‘۔

اس پر حافظ شمس الدین السخاوی تلمیذ حافظ ابن حجر نے اپنی مشہور کتاب ’’الضوء اللامع‘‘ میں لکھا کہ میرے شیخ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا حق ادا کردیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے ’’مگر حافظ سے الابواب والتراجم کا حق ادا نہیں ہوا۔ بہت سے ابواب وتراجم ابھی تک تشنہ تحقیق ہیں۔‘‘ مولانا یوسف البنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’لو کمل ماحاوله مولانا شیخ الهند رحمه الله تعالیٰ من شرح ابواب الصحیح وتراجمه‘ لقضی دین التراجم انشاء الله تعالیٰ‘ والاسف انه لم یکمل ماحاوله‘ مع هذا فالقطعة التی الفها وطبعت الیوم صارت للمستفدین نبراسًا ومعیاراً‘‘۔ (۱)

(۱)...... نفحۃ العنبر‘ ص:۱۰۴

ترجمہ:... ’’اگر حضرت شیخ الہند صحیح بخاری کے ابواب وتراجم کی شرح مکمل فرمالیتے تو تراجم کا قرض ادا ہوجاتا، لیکن افسوس کہ وہ پورا نہیں ہوا، تاہم وہ حصہ جو آپ نے تحریر کیا اور طبع ہوچکا ہے، استفادہ کرنے والوں کے لئے معیار بن چکا ہے‘‘۔

راقم آثم عرض کرتا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کی تقریر بخاری اور محدث العصر برکۃ الدہر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم مدنی کی شرح لامع الدراری اور مقدمہ میں بیان کردہ سو سے زیادہ اصول جن سے ابواب وتراجم کے حل میں مدد لی جاسکتی ہے، سے بھی یہ قرضہ انشاء اللہ تعالیٰ ادا ہوگیا۔

اسی طرح شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ترمذی اگرچہ بہت مختصر ہے، لیکن اس کی بعض مباحث خوب تر ہیں اور ان سے متعارض احادیث میں جمع وتطبیق کے اصول سمجھ میں آتے ہیں اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی دقتِ نظر اور علومِ حدیث میں مہارت وحذاقت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت میں مسند حدیث تھے اور آپ پر اسنادِ حدیث کا مدار تھا اور حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے:

’’ثم تلمذ علی الشیخ محمد قاسم لشیخنا العدل الحجۃ، مسند وقتہ الشیخ محمود حسن، متع اللہ المسلمین بطول بقائہ، وھو شیخ المدرسۃ الآن، وعلیہ المدار فی الاسناد فی ھذہ البلاد، وھو علی طریقۃ مشائخہ، ساعدہ التوفیق الالٰھی فی التوقیف بین المتعارضات، وحل المشکلات‘‘. (۱)

ترجمہ:... ’’حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہمارے شیخ، عدل، حجت، مسند وقت حضرت مولانا محمود حسن نے تلمذ حاصل کیا، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کی زندگی سے فائدہ دے، وہ آج کل مدرسہ کے شیخ الحدیث ہیں اور ان پر ہمارے ملک میں اسناد حدیث کا مدار ہے اور وہ اپنے مشائخ کے طریقہ پر قائم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو متعارض روایات کے درمیان تطبیق دینے اور مشکلات کے حل کرنے میں خاص توفیق سے نوازا‘‘۔

اس مسندِ وقت سے حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث میں تلمذ حاصل کیا۔ صحیح بخاری، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور صحیح مسلم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں۔ صحیح بخاری نہایت ہی اہتمام سے پڑھی کہ بخاری شروع ہونے سے قبل عمدۃ القاری للعلامہ العینی رمضان اور شوال کی ابتدائی تاریخوں میں پوری ختم کرلی اور اس کے ساتھ ساتھ فتح الباری للحافظ ابن حجر کا مطالعہ شروع کردیا۔ عموماً مطالعہ درس کے ساتھ ہی ساتھ چلتا۔ شاہ صاحب فرماتے تھے: کبھی کبھی مطالعہ درس سے زیادہ ہوجاتا، ایک مرتبہ سترہ روز بیمار رہا، بڑی

(۱)...... تقریر حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نفحۃ العنبر، ص:۸۱۔

فکر ہوئی، لیکن جب درس میں حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ میرا مطالعہ جہاں پہنچا تھا' درس وہاں تک ابھی نہیں پہنچا۔ حضرت بنوری کے الفاظ ہیں:

''ولکن لما حضرت فی الدرس' رأیت انه لم یصل الدرس الٰی موضع بلغت الیه مطالعتی''. (۱)

ترجمہ:... ''لیکن جب میں درس میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ درس ابھی تک وہاں نہیں پہنچا تھا جہاں تک میرا مطالعہ پہنچ چکا تھا''۔

مولانا حکیم عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند میں محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الہند کے علاوہ' مولانا اسحٰق امرتسری اور مولانا خلیل احمد صاحب انبٹھوی کو بھی ذکر کیا ہے۔ (۲)

حضرت محدث کشمیری کی سیرت نگاری ہمارا مقصود نہیں، اس لئے ان کے حالات زندگی کی تفصیل آپ اس مضمون میں نہیں پائیں گے۔ مختصراً یہ کہ حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند سے نہایت اعزاز واکرام وامتیاز کے ساتھ فارغ ہوئے۔ فراغت کے بعد دہلی کے ''مدرسہ عبدالرب'' میں استاذ مقرر ہوئے۔ پھر مولانا محمد امین کی معیت اور رفاقت میں ''مدرسہ امینیہ دہلی'' کی بنیاد ڈالی اور وہاں کام کیا' اور قیام دہلی کے زمانہ میں ایک غیر مقلد اور ایک بدعتی سے مناظرہ بھی ہوا۔ اسی زمانہ میں علم غیب پر فارسی میں ایک رسالہ لکھا، پھر کشمیر چلے گئے۔ وہاں ''فیض عام'' کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس کے بعد حج اور زیارت سے سرفراز ہوئے۔ دوسری مرتبہ اپنے شیخ سے ملاقات کے لئے دیوبند تشریف لائے اور اہل مدرسہ کے اصرار پر شادی کی اور دارالعلوم دیوبند کے مدرس مقرر ہوئے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بوقت سفر حجاز اپنا قائم مقام بنایا۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی غیر موجودگی میں اور حضرت کی وفات کے بعد دارالعلوم کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث مقرر ہوئے۔

نزہۃ الخواطر میں ہے:

''ولما سافر شیخه العلامة محمود حسن الی الحجاز سنة ثلاث وثلاثین وثلث مائة والف، وکان ینوی الاقامة الطویلة هناک' استخلفه فی تدریس الحدیث، وولاه ریاسة التدریس فی دیوبند، فاشتغل بتدریس سنن الترمذی وصحیح البخاری، وانتهت الیه ریاسة تدریس الحدیث فی الهند، وبقی مشتغلاً به مدة ثلاث عشرة سنة فی تحقیق واتقان' وتوسع فی نقل المذاهب ودلائلها' واستحضار النقول واطلاع علی

(۱)...... نفحة العنبر، ص:۴۹۔

(۲)...... نزہۃ الخواطر، ج:۸، ص:۸۱۔

دواوين السنة، وشروح الحديث وكتب المتقدمين. اكبرهم التطبيق بين الحديث والفقه، ينتصر مذهب الحنفي، ويقيم الدلائل على صحته وارجحيته، وقد نفع الله بدرسه خلقاً كثيراً وتخرج على يده عدد كثير من الفضلاء، واشتغلوا بتدريس الحديث ونشر العلوم (۱)

ترجمہ:...''اور جب آپ کے شیخ علامہ محمود حسن نے ۱۳۳۳ھ میں سفرِ حجاز اختیار فرمایا اور ان کا ارادہ وہاں زیادہ مدت تک قیام کا تھا تو تدریسِ حدیث میں مولانا انور شاہ کو اپنا قائم مقام بنایا اور صدر مدرسی کا منصب بھی آپ کو عطا کیا، سنن ترمذی اور صحیح بخاری پڑھاتے رہے، ہندوستان میں تدریسِ حدیث کے مدار بن گئے اور تیرہ سال تک تحقیق و اتقان، مذاہب کے نقل کرنے اور ان کے دلائل کے بیان کرنے میں توسع اور نقول کا استحضار آپ کی خصوصیت تھی، کتبِ حدیث اور شروحِ حدیث اور قدماء کی کتابوں سے واقفیت میں ممتاز تھے، آپ کا بڑا مقصد حدیث اور فقہ میں تطبیق دینا، مذہب حنفی کی نصرت اور اس کی صحت پر دلائل قائم کرنا تھا، اور آپ کے درس سے ایک بڑی مخلوق کو فائدہ پہنچا اور آپ سے پڑھ کر فضلاء کی ایک جماعت نکلی جو حدیث کی تدریس اور علم کی خدمت میں مشغول رہی''۔

دارالعلوم دیوبند میں ایک فتنہ واقع ہوا، جس سے دلبر داشتہ ہو کر آپ ڈابھیل سورت چلے گئے، آپ کی وجہ سے ڈابھیل کا معمولی مدرسہ دارالعلوم بن گیا، علم و عرفان و حدیث نبوی کے علوم کے چشمے سورت میں بہنے لگے اور سورت اور گجرات کا علمِ حدیث میں عہدِ رفتہ لوٹ آیا، پانچ سال وہاں آپ کا قیام رہا، مرض کا غلبہ ہوا، دیوبند تشریف لائے، شب دوشنبہ صفر ۱۳۵۲ھ کی تیسری تاریخ کو اپنے رب سے جا ملے۔ حضرت میاں اصغر حسین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قصبہ سے باہر ایک باغ میں دفن ہوئے۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ڈابھیل کے زمانہ قیام میں ترمذی اور بخاری پڑھی، جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مآثر علمیہ، علوم قرآن و سنت، فقہ و اصول، منطق، ریاضی، فلسفہ، ادب و شعر میں آپ کی حذاقت اور مہارت ہمارا موضوع نہیں، حدیث میں آپ کا کام اور اس سلسلہ میں آپ نے جو نئی طرحیں ڈالی ہیں، ان کا بقدرِ استطاعت باختصار بیان مقصود ہے۔

وسعت معلومات، علم حدیث کے لئے غیر معمولی حافظہ، ذکاوت، قوتِ مطالعہ، متون و شروح حدیث کی اطلاع، رجال و تاریخ، جرح و تعدیل، طبقات رواۃ کی واقفیت، تقویٰ، زہد اور ورع درکار ہے۔ ان میں سے ہر ایک میں قدرت نے آپ کو وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

(۱)......نزہۃ الخواطر، ص: ۸۱

حافظہ کا یہ عالم تھا کہ فتح القدیر جیسی کتاب جو فقہ و حدیث، اصول، جدل و خلاف میں بے عدیل کتاب ہے۔ ۱۳۲۱ھ میں بیس سے کچھ اوپر دنوں میں مطالعہ کی تھی اور کتاب الحج تک تلخیص بھی کی تھی اور کمال ابن الہمام نے صاحب الہدایہ پر جو اعتراضات کئے تھے ان کے جوابات بھی دیئے تھے۔ یہ سب کچھ بیس سے زیادہ دنوں میں کیا، پھر کبھی مراجعت کی ضرورت نہیں آئی اور جب ۱۳۴۷ھ میں دورۂ حدیث کے درس میں اس کتاب کا حوالہ دیا تو فرمایا:

''چھبیس سال ہوئے پھر مراجعت کی ضرورت نہیں پڑی اور جو مضمون اس کا بیان کروں گا، اگر مراجعت کرو گے، تفاوت کم پاؤ گے۔''(۱)

مسند احمد کا مطالعہ شروع کیا، تمام مشاغل کے ساتھ دوسو صفحے روزانہ مطالعہ کا اوسط تھا، سرسری نہیں بلکہ متون واسانید میں تفکر و تدبر اور حل مشکلات کے ساتھ۔ پھر اس سے ادلۂ حنفیہ منتخب کئے، اور جب کسی موقعہ پر حوالہ دیتے تو متن کی صحت اور رواۃ کے احوال، ضبط تام کے ساتھ بیان فرماتے۔ دوسری مرتبہ پھر اس کتاب کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی احادیث جمع کرنے کے لئے مطالعہ کیا۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے تھے:

''اذا طالعت كتاباً مرتجلاً'' ولم ارد ادخار مباحثه' يبقى فى حفظى الىٰ نحو خمس عشرة سنةً''.

''جب میں کسی کتاب کو جلدی میں دیکھتا ہوں اور اس کی مباحث محفوظ رکھنے کا ارادہ نہیں ہوتا تو میرے حافظہ میں اس کے مباحث پندرہ سال تک باقی رہتے ہیں''۔

حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مطالعہ کا طریقہ عام علماء مدرسین کے مطالعہ سے مختلف تھا، عام مدرسین اور اصحاب افتاء کتاب اس وقت دیکھتے ہیں جبکہ ان کو درس، فتویٰ اور تصنیف و تالیف میں ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جو بھی کتاب مل جاتی خواہ کسی موضوع کے متعلق ہو، مطبوع ہو یا مخطوط اور کسی بھی علم کے متعلق ہو، آپ اس کو ضرور مطالعہ فرماتے۔ علم حدیث میں آپ نے صحاح ستہ کے علاوہ مسند دارمی، مسند احمد، منتقیٰ لابن الجارود، مستدرک حاکم، سنن الدارقطنی، مصنف ابن ابی شیبہ، مجمع الزوائد للحافظ نور الدین الہیثمی، جامع الصغیر، کنز العمال للشیخ علی المتقی کا مطالعہ کیا تھا۔ ان کے علاوہ مطبوعات اور مخطوطات میں سے حدیث کی جو بھی کتاب ملی، ہندوستان کے کتب خانوں میں یا حرمین کے کتب خانوں میں، وہ آپ نے مطالعہ کی۔

---

(۱)...... نفحۃ العنبر، ص:۲۶

شروح حدیث میں دو سو سے زیادہ کتابیں مطالعہ کیں۔ صحیح بخاری کے متعلق تقریباً تیس سے زیادہ شرحیں دیکھیں۔ فتح الباری، عمدۃ القاری، ارشاد الساری کو بار بار دیکھا' صحیح بخاری کا تیرہ مرتبہ اس طرح مطالعہ کیا کہ صرف متن پر غور کیا۔ حواشی اور بین السطور کو قطعاً نہیں دیکھا اور فرماتے تھے کہ: ہر مرتبہ نئے علوم و معارف سامنے آئے جو اس سے پہلے نہیں آئے تھے۔(۱)

طبقات ورجال کے متعلق حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"حافظاً مستوعباً للطبقات والتاريخ والسير حتى صار رحلة في الاقطار لشرح مشكل الآثار ومسندا ثبتًا لمعاني منتقى الاخبار". (۲)

ترجمہ:... "رواۃ کے طبقات، تاریخ اور سیرت کے حافظ تھے، یہاں تک کہ مشکل احادیث کی شرح میں آپ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے"۔

حافظ ابن حجر کی شرح فتح الباری کے بڑے مداح تھے' البتہ کبھی کبھی اس پر نقد فرماتے کہ حافظ نے فتح الباری میں یہ بات نہیں لکھی' تلخیص الحبیر میں تحریر فرمائی ہے۔ کبھی فرماتے کہ: تہذیب التہذیب میں فلاں راوی کے ترجمہ میں یہ بات لکھی۔

غرض اللہ تعالیٰ نے حدیث اور علومِ حدیث میں آپ کو وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ کا مطمح نظر تفقہ فی الحدیث تھا۔ خود حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دار العلوم دیوبند کی بناء کی غرض بیان فرماتے ہیں:

"وغاية المدرسة درس الحديث وفقه الحديث". (۳)

ترجمہ:... "مدرسہ کی بنیاد کی غرض درسِ حدیث اور فقہ حدیث ہے"۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفقہ کے اصول مرتب کئے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فروع کو اس پر منطبق کیا' حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وكثرت الفتيا وازدحمت المسائل على الشيخ رشيد احمد' حين التبس الحق بالباطل' فاجاب فيها بالصواب' كان فقيهًا مجتهداً فاخذنا ذلك امامًا في الاصول' وهذا امامًا في الفروع". (۴)

[ذلك اشارة الى العلامه الدهلوى رحمة الله عليه]

(۱)...... نفحۃ العنبر، ص:۴۹
(۲)...... نفحۃ العنبر، ص:۲۵
(۳)...... نفحۃ العنبر، ص:۷۷
(۴)...... نفحۃ العنبر، ص:۷۷

ترجمہ:..." جب حق و باطل کا التباس ہوا تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کثیر استفتاء اور سوالات آنے لگے' انہوں نے ہر سوال کا جواب بالصواب دیا، وہ فقیہ، مجتہد تھے۔ پس ہم نے ان کو (شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ) کو اصول میں اور ان کو فروع میں مقتداء ٹھہرایا"۔

غرض تفقہ فی الحدیث اور فقہ حنفی کی نصرت اب تک علماء دیوبند کی درس کی خصوصیت تھی، رجالِ طبقات رواۃ، عللِ حدیث، طرق حدیث کی تحقیق جو قدماء محدثین کا طریقہ تھا، اس سے اعتناء کم تھا۔ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جب درسِ حدیث میں داخل ہوئے تو آپ نے جہاں درس حدیث کا یہ نیا طریقہ اختیار کیا' وہاں قدماء محدثین کے علوم زندہ کردیئے۔ ان فنون میں گفتگو کرنے کے لئے قوت حافظہ اور وسعت معلومات کی ضرورت تھی اور یہ سب کچھ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھا' اس لئے ان فنون میں دخل دینا موصوف کا حق تھا' رجال' طرق اور علل کی بحث کی ضرورت اس لئے بھی تھی کہ غیر مقلدین کے سرخیل نواب صدیق حسن بھوپالی اور میاں نذیر حسین دہلوی اور ان کے تلامذہ وغیرہ نے رفع یدین، آمین بالجہر اور اس قسم کے سینکڑوں اختلافی مسائل پر کتابیں اور رسالے لکھنے شروع کردیئے تھے اور اس کے ذیل میں رواۃ اور طبقات کی بحثیں زندہ ہوگئی تھیں۔ دوسری طرف مولانا ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ جن کے پاس جامع کتب خانہ موجود تھا، قدماء کی کئی کتابیں بھی موجود تھیں' وہ رجال، طبقات کی کتابوں کے حوالے دیتے اور بعض مسائل میں محاکمہ کرتے اور حنفیہ کے مسلک کو ضعیف کہتے۔ التعلیق الممجد اور سعایہ میں یہ سب کچھ آپ دیکھ سکتے ہیں۔ غیر مقلدین ان کی تحریریں پیش کرتے اور الزام دیتے کہ ایک حنفی عالم وہ بات کہہ رہا ہے جو ہم کہہ رہے ہیں' اس لئے ضرورت تھی کہ احادیث احکام پر رواۃ کی جرح وتعدیل سے بحث کی جاتی اور حدیث کے طرق جمع کرکے فیصلہ کیا جاتا۔ چنانچہ اس ضرورت کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف پورا کیا' بلکہ حق ادا کردیا۔ علاوہ ازیں اب تک حنفیہ کے ادلہ کا سرمایہ طحاوی، فتح القدیر اور عمدۃ القاری تک محدود تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے اس میں اضافہ کیا۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (یہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ ہے، جس کو مولانا محمد امین صاحب مدرس مدرسہ عربیہ اسلامیہ ورفیق مجلس دعوت وتحقیق اسلامی نے قلمبند کیا ہے۔ موصوف کے شکریہ کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔)

"۲ ذیقعدہ ۱۳۹۶ھ بروز منگل بعد از نماز عصر عقب مسجد کے سبزہ زار میں شرح معانی الآثار پر کام کی مناسبت سے محقق العصر حضرت الاستاذ الشیخ اللبنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امام طحاوی بڑے وسیع النظر انسان ہیں، ہر موضوع پر اتنا مواد جمع کرکے پیش کرتے ہیں کہ عقل حیران ہے' آپ نے جو علمی سامان فراہم کیا ہے' اس کی اگر تنقیح ہوجائے تو حنفیہ کے لئے کافی ثابت ہو۔ چند مباحث میں کمی

نظر آتی ہے۔ ان کی تکمیل حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف سے کی جاسکتی ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے پایہ کا آدمی کہیں نظر نہیں آتا‘ نہ دارقطنی ان کے مقام تک پہنچ سکتا ہے، نہ خطیب، نہ بیہقی نہ کوئی اور۔ البتہ ان تینوں حضرات کو ملا کر اگر ایک پلڑے میں ڈالا جائے تو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے برابر ہوں گے، لیکن پھر بھی درایت کے لحاظ سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا پلہ بھاری رہے گا‘ اس لئے کہ طحاوی کی عقلیت بے نظیر ہے‘ وہ حدیث میں بھی چلتی ہے، تفسیر میں بھی اور کلام میں بھی۔ حالانکہ مذکورہ بالا تینوں شخصیتوں میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر بڑی بھاری شخصیت ہے۔ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد پھر حنفیہ میں ایک ہزار سال تک کوئی ایسا آدمی نہیں آیا جس نے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے فراہم کردہ علوم پر اضافہ کیا ہوا، اِلّا مولانا محمد انور شاہ...... کہ ان کے ہاں یہ اضافے ملتے ہیں۔ علامہ ماردینی کے پاس کچھ زوائد وفوائد ہیں۔ بیہقی وغیرہ پر گرفت کرتے ہوئے بعض قابل قدر چیزیں ذکر کی ہیں‘ ان کے شاگرد حافظ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اگرچہ کافی سامان ہے، مگر استعمال میں نہیں لائے‘ ایک تو مزاج صوفیانہ ہے، پھر ان کے مشائخ میں اکثر شوافع ہیں‘ یہ چیزیں مانع رہی ہیں۔ رہے ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ تو ان کی فتح القدیر ابن حجر کے استدلال کا جواب فراہم نہیں کرسکی‘ بہت کچھ لکھا ہے، مگر فتح الباری کا توڑ نہیں۔ حافظ بدرالدین العینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بہت کچھ لکھا ہے، لیکن ان کے کلام میں زور نہیں ہے۔ ہمارے اکابر دیوبند توجیہات کے باب میں بہت آگے ہیں‘ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بہترین توجیہات پیش کی ہیں۔ جبکہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وہ واحد شخص ہیں جنہوں نے محض اپنے نورِ قلب سے حدیث کی مشکلات حل کی ہیں اور کچھ تھوڑا سا حصہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس سے ملا ہے۔ ان حضرات کی توجیہات اپنی جگہ بہت اہم اور وقیع ہیں‘ لیکن مخالف پر حجت نہیں بن سکتیں‘ احادیث کے ذخیرہ میں سے اتنا مواد جمع نہیں کیا کہ غیر پر حجت بن سکے۔ یہ کام حضرت انور شاہ صاحب نے کیا۔ ہمارا ارادہ ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی بحث جن مسائل میں ناکافی ہے وہاں تعلیقات کی صورت میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم سے استفادہ کرکے اضافہ کریں‘ یہ بیک وقت دین، حدیث اور حنفیت کی بڑی خدمت ہوگی اور اپنے مسائل پر حنفیہ کے لئے بھی کچھ کافی رہے گا۔“

حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ”اصول حدیث“ میں بھی اضافے کئے۔ مثلاً تواتر کی منقح تقسیم کی۔ تواتر کی اقسام اربعہ کو ذکر کیا۔

(۱)......تواتر الاسناد۔ (۲)......تواتر الطبقہ۔

(۳)......تواتر التعامل۔ (۴)......تواتر القدر المشترک۔ (۱)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ فتح الملہم میں فرماتے ہیں:

''وهذه الاقسام الاربعة للتواتر وان كانت جزئياتها منتشرة فى كتبهم' لكنهم لم يكونوا يذكرونها عند التقسيم' وأول من ربَّع القسمة وسمى كل قسم باسمه فيما نعلم الشيخ العلامة الأنور أطال الله بقاءه (قدس الله سره) وهو تقسيم حسن (۲)

ترجمہ:...''تواتر کی یہ چار قسمیں ہیں' اگرچہ ان کی جزئیات کتب اصول میں منتشر و پراگندہ تھیں، لیکن تواتر کی تقسیم کے وقت لوگ ان کو بیان نہیں کرتے تھے، سب سے پہلے (ہمارے علم کے مطابق) جس نے چار قسمیں بیان کیں اور ہر قسم کا علیحدہ نام رکھا' وہ شیخ علامہ انور شاہ ہیں اور یہ بہتر تقسیم ہے''۔

اسی طرح حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث صحیح کی چار قسمیں ذکر کیں' اس کے ساتھ حدیث غریب کی اقسام ذکر کیں۔ معارف السنن پر بحث کے موقع پر ان کی تفصیل آپ پڑھیں گے۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تعبیرات تبدیل کیں' رجال کے متعلق بعض غلطیوں کی نشاندہی کی' رجال و رواۃِ حدیث کے متعلق ایک ضابطہ ذکر فرمایا:

''ولم اكثر من نقل كلامهم فى الرجال ومافيه من كثرة القيل والقال' لانه ليس عندى كبير ميزان فى الاعتدال' وبعضهم يسكت عند الوفاق ويجرح عند الخلاف''. (۳)

ترجمہ:...''رجال کے سلسلہ میں، میں نے زیادہ اقوال ذکر نہیں کئے اور نہ اس میں زیادہ قیل وقال ذکر کی، کیونکہ میرے پاس اس سلسلہ میں بجانب اعتدال کوئی میزان نہیں ہے' لوگوں کی عادت یہ ہے کہ اتفاق کی صورت میں سکوت اختیار کرتے ہیں اور اختلاف کی صورت میں جرح کردیتے ہیں''۔ (۴)

حدیث کے اعلال کے بارے میں فرمایا:

''والذى ينبغى ان يعتمد فيه' ان ماصح سنده اصطلاحاً ثم وجد عمل

(۱)......اکفار الملحدین (۲)......مقدمہ فتح الملہم۔

(۳)......نیل الفرقدین فی مسئلۃ رفع الیدین۔

(۴)......مثلاً امام ابوبکر بیہقی نے اپنی کتاب الاسماء والصفات میں محمد بن اسحٰق پر جرح کردی اور کتاب الفاتحہ خلف الامام میں توثیق کردی۔ (راقم)

بعض السلف فهو صحیح فی الواقع لایسمع فیه اعلال وتعلل' کما یفعله الناس من النقد عند الخلاف' والمسامحة عندالوفاق''۔ (۱)

ترجمہ:... ''اس سلسلے میں اس بات پر اعتماد کرنا چاہئے کہ اصطلاح کے لحاظ سے جس حدیث کی سند صحیح ہو اور پھر بعض سلف کا عمل بھی اس پر ثابت ہو تو وہ حدیث واقعی صحیح ہے' اس میں اعلال وتعلیل کی کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔ جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے کہ اختلاف کے وقت تو تنقید کردیتے ہیں اور اتفاق کے موقع پر چشم پوشی کرتے ہیں''۔

علاوہ ازیں حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی بعض تعبیرات تبدیل کیں اور ایسی تعبیرات اختیار کیں جن پر اعتراض واقع نہ ہو یا کم سے کم واقع ہو۔ مثلاً حنیفہ کی مشہور تعبیر یہ ہے کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہوسکتی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی تعبیر یوں فرماتے تھے کہ کتاب اللہ پر خبر واحد سے زیادتی جائز ہے' لیکن رکنیت اور شرط کے مرتبہ میں نہیں' بلکہ وجوب یا سنیت کے مرتبے میں۔ یہ تو ایک مثال ہے، اس کے علاوہ دوسری مثالیں بھی موجود ہیں۔

محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا درس خصوصاً درس بخاری بھی ممتاز اور بے نظیر خصوصیات کا حامل ہوتا تھا، بس اس کی تفصیل نفحۃ العنبر اور فیض الباری کے مقدمہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث اور علوم حدیث میں یہی خصوصیات تھیں، جنہوں نے ان کو مسند وقت اور امام بنادیا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر محقق شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تعزیتی جلسہ میں جو دل ہلا دینے والی تقریر کی تھی' اس میں فرمایا تھا:

''اگر تم مجھ سے پوچھو کہ تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی، حافظ تقی الدین بن دقیق العید، سلطان العلماء، عزیز الدین بن عبد السلام رحمہم اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا تو اگر میں ہاں کہہ دوں تو سچا ہوں گا' کیونکہ میں نے انور شاہ کو دیکھا تھا، کیونکہ اگر انور شاہ ان علماء کے دور میں ہوتے تو یہی ہوتے۔ (۲)

ایک دوسرے موقع پر حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کو علاماتِ قیامت میں سے قرار دیا۔ علوم حدیث میں محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا فضل وکمال اس سے بھی واضح ہے کہ آپ کے عہد کے کبار علماء' بلکہ آپ کے اساتذہ آپ سے معلومات حاصل کرتے تھے۔ حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے واقعات نفحۃ العنبر میں دیکھے جاسکتے ہیں اور وفات پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ: اب مشکلاتِ علوم میں

---

(۱)......نیل الفرقدین' ص:۱۳۵،۱۳۶

(۲)......نفحۃ العنبر ،عربی سے ترجمہ۔

کون راہنمائی کرے گا؟

مشہور محدث مولانا ظہیر احسن صاحب بہاری صاحب ”آثار السنن“ حدیث کی مشکلات میں آپ سے مشورہ لیتے اور استفادہ کرتے، بلکہ اپنی کتاب کے اجزاء آپ کے پاس بھیجتے رہتے تھے‘ آپ کی تصویب کے بعد ان کو شائع کیا جاتا۔ نیل الفرقدین میں ایک جگہ خود فرماتے ہیں:

”وقد كان الشيخ النيموی المرحوم حين تأليفه ذلک الكتاب يرسل الی قطعةً قطعةً حتی انی کنت مرافقا فيه وزدت عليه اشياء كثيرة بعده“۔ (۱)

ترجمہ:... ”شیخ نیموی مرحوم اپنی کتاب کی تالیف کے وقت میرے پاس اس کے اجزاء بھیجتے رہتے تھے‘ اس کتاب کی تالیف میں میری بھی رفاقت رہی ہے‘ میں نے ان کے بعد اس کتاب پر بہت کچھ اضافہ کیا ہے“۔

آثار السنن کے حواشی پر حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات راقم نے خود دیکھی تھیں۔ یہ آثار السنن مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھی اور آپ نے شرح ترمذی معارف السنن میں اس سے استفادہ بھی کیا ہے۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خزینہ بے بہا مل گیا تھا اور معارف السنن نے ان حواشی و تحریرات کو اپنے سینہ میں جمع کرلیا ہے۔ وللہ الحمد حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مشکلاتِ علوم اور مسائل میں آپ سے استصواب فرماتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو تحریریں اس سلسلہ میں نفحۃ العنبر کے آخر میں دیکھی جاسکتی ہیں“۔

علامہ محدث فقیہ مولانا خلیل احمد صاحبِ ”بذل المجهود“ اس کتاب مستطاب کی تالیف کے وقت آپ سے استصواب فرماتے تھے۔ (۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حدیث کی مشکلات کے سلسلہ میں آپ سے پوچھتے ”کیا آپ نے اس بارے میں کسی کا قول دیکھا ہے۔ کیا اس مشکل کا حل آپ کے پاس ہے؟“۔ (۳)

محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بارے میں ایک حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔ حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کا ایک جملہ ہے جو آپ نے تعزیتی جلسہ میں کہا۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے عربی میں اس کو اس طرح تحریر فرمایا ہے:

”ولكن الذی هو اكبر مزاياه عندی‘ انه كان خبيرا مطلعا علی ارواح

---

(۱)...... نیل الفرقدین، ص:۵۶

(۲)...... نفحۃ العنبر

(۳)...... نفحۃ العنبر، ص:۹۹

العلوم وحقائقها وھٰذہ ھی غایة معارج العلم ونھایة مدارجه".

ترجمہ:... "آپ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ علوم کی روح اور اس کے حقائق سے واقف تھے اور یہ علم کی معراج اور اس کا کمال ہے"۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فلذا اشتھر فی العالم الاسلامی بالمحدث وشیخ الحدیث، فصار الحدیث له شعار ودثار". (۱)

ترجمہ:... "عالم اسلامی میں آپ محدث اور شیخ الحدیث کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حدیث آپ کا اوڑھنا بچھونا تھی"۔

مسلکِ علماء دیوبند کے مدارس واداروں میں آپ کے درس کا طریقہ، درس حدیث عام ہوگیا۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فشاعت الیوم باکثر المعاھد الدینیة طریقة العذراء فی الدرس والتالیف".

ترجمہ:... "پس آج اکثر دینی مدارس میں آپ ہی کا طریقہ درس وتدریس وتألیف رائج ہے"۔

آخر میں مولانا محمد یوسف کیمبلپوری کے مقابلہ عربی کا ایک اقتباس نقل کیا جاتا ہے جو حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیات کا آئینہ دار ہے۔ نفحۃ العنبر میں یہ مقالہ موجود ہے۔ (۲)

"وکان یجری علی طراز الاولین فی تحقیق الحدیث، وکان بحاثة نقادة للحدیث لم یکن فوق ادیم الارض اعلم منه قرآنًا وحدیثًا وفقھا وکلامًا ولغةً وعربیةً وتصوفاً، وکان حاذقا فی علوم المعقول بانواعھا، وکان یحض اصحابه علی مطالعة کتب فحول الحفاظ وشراح الحدیث، وکان کلمة الحکمة ضالته فاستفاد منه رجال لایحصیھم عدد، واستفاض منه فحول عصرہ فی الفتاوی والمشکلات، فاغتبط العلماء بحاله، وجروا علی محجته فازداد واتحقیقًا ومطالعة للحدیث وترکوا الجمود فارتقوا الٰی ذروة العلٰی، فکان خاتم المحدثین فی الھند وامام ھذہ النشأة العلمیة الحدیثة مبھتا، وکان الناس قبیل ھذا العصر یکتفون بادنی الحظ فی الحدیث، وکان غایة سعیھم انھم اذا اطلعوا علی

(۱)...... نفحۃ العنبر ،ص:۹۹

(۲)...... ص:۲۲۲

حدیث یخالف مذهب واحد من ائمة الاجتهاد تصدو التاویله من دون أن یستفزوا طرق الحدیث وما فی طرقه من الاختلاف"۔

ترجمہ:... "آپ حدیث کی تحقیق میں متقدمین کے طرز پر چلتے تھے، حدیث کی بحث وتنقید کے فن میں امام تھے۔ روئے زمین پر ان سے بڑھ کر قرآن وحدیث، فقہ وکلام، لغت وعربیت اور تصوف کا عالم نہیں تھا' ہر نوع کے عقلی علوم کا ماہر تھا' اپنے تلامذہ کو چوٹی کے حفاظ اور شارحینِ حدیث کی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دیتے تھے' کلمہ حکمت ان کی متاعِ گم گشتہ تھی' ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا اور اپنے زمانے کے سربرآوردہ حضرات نے فتاویٰ ومشکلات میں ان سے فیض پایا، علماء کے لئے ان کی شخصیت لائقِ رشک تھی' اس لئے سب نے انہی کی روش اختیار کی اور جمود کو چھوڑ کر تحقیق اور مطالعۂ حدیث میں کافی ترقی کی' نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سب کمال کی بلندیوں کو پہنچ گئے' الغرض آپ ہندوستان میں خاتم المحدثین اور حدیث کی نشأۃ جدیدہ کے امام تھے' ان کے دور سے پہلے لوگ حدیث میں معمولی حصہ پر اکتفا کرتے تھے' اور ان کی انتہائی کاوش یہ ہوتی تھی کہ جب کوئی ایسی حدیث سامنے آئے جو ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے فقہی مسلک کے خلاف ہو تو اس کی تاویل کے درپے ہوں بغیر اس کے کہ طرقِ حدیث کو تلاش کر کے اختلافِ طرق کا سراغ لگائیں"۔

محقق العصر حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم میں آپ کے بارے میں فرمایا:

"سألت الشیخ العلامة التقی النقی الذی لم تر العیون مثله' ولم یرهو مثله' ولو کان فی سالف الزمان لکان له شأن فی طبقة أهل العلم عظیم وهو سیدنا ومولانا الانور الکشمیری اطال الله بقاءه عن تفسیر اوائل سورة النجم' وتحقیق رؤیة النبی صلی الله علیه وسلم ربه' فقرر الشیخ تقریراً حسناً بلیغاً جامعاً لاشتات الروایات واطراف الکلام مبنیًا علی اغوار القرآن' فالتمست منه أن یقیده بالکتاب لیتم الفائدة فاستجاب لملتمسی وعلی الله اجره مع وجود الشواغل الکثیرة". (۱)

ترجمہ:... "میں نے سوال کیا شیخ علامہ تقی نقی سے جس کی نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھی، اور خود انہوں نے بھی اپنی نظیر نہیں دیکھی، اگر وہ گزشتہ دور میں ہوتے تو اہل علم کے طبقہ میں وہ عظیم الشان امام شمار ہوتے، اور وہ ہیں سیدنا مولانا انور شاہ کشمیری، اللہ تعالیٰ ان کی حیات کو طویل کرے، میں نے ان سے سورۃ نجم کی ابتدائی آیات کی تفسیر دریافت کی، اور یہ کہ آنحضرت ﷺ کے حق تعالیٰ کے دیدار کرنے کے بارے میں تحقیق کیا، پس شیخ نے ایسی عمدہ اور بلیغ تقریر فرمائی جو مختلف روایات اور اطراف کلام کی جامع اور قرآن کی گہرائیوں پر مبنی تھی، میں نے

(۱)...... فتح الملہم (۱، ۳۳۵)

آپ سے درخواست کی کہ اس کو قلمبند فرمادیا جائے' تاکہ فائدہ عام ہو۔ چنانچہ آپ نے بہت سی مصروفیتوں کے باوجود میری درخواست قبول فرمائی، اس کا اجر وثواب ان کو اللہ تعالیٰ سے ملے گا''۔

محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت اور ان کے علوم ومعارف کا ایک ہلکا سا تعارف آپ نے پڑھا، اس بحر بیکراں کے علم وعرفان کو سمیٹنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے محبت ہی نہیں' بلکہ والہانہ عشق تھا۔ اگرچہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ صاحب سے رسمی طور پر استفادہ کم کیا تھا' لیکن عشق اور شیفتگی نے وہ سارے مراحل طے کرادیئے تھے جو رسمی استفادہ سے بہت کم حاصل کئے جاتے ہیں۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے علوم ومعارف کو اپنے قلب میں جذب کرلیا تھا اور زندگی بھر انہی کا تذکرہ وردِ زبان تھا۔ جس سے آپ اپنے شیخ کے جانشین اور ان کے علوم ومعارف کے ترجمان بن گئے تھے۔

دوسری شخصیت جس سے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ متاثر تھے اور ان کی تحقیقات کو وقعت واہمیت کی نگاہ سے دیکھتے تھے' وہ حضرت علامہ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

آپ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ الاجازۃ بھی تھے اور مولانا نے بزمانۂ قیام مصران سے علمی استفادہ کیا تھا' اس لئے ان کا مختصر تذکرہ بھی ضروری ہے۔

علامہ محقق محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ نسب اس طرح ہے:

محمد زاہد بن الحسن الحلمی بن علی رضا بن نجم الدین خضوع الخ ۲۸ شوال ۱۲۹۶ھ کو سہ شنبہ کے روز' اذانِ فجر کے وقت ''قریۃ الحاج حسن آفندی'' میں پیدا ہوئے جو ''دوزجہ'' سے تین میل کے فاصلہ پر ہے اور ''دوزجہ'' استنبول سے تین مرحلوں پر ہے۔ ابتدائی تعلیم ''دوزجہ'' کے علماء ومدرسین سے حاصل کی۔ ۱۳۱۱ھ میں استنبول آگئے' یہاں شیخ ابراہیم حقی اور شیخ زین العابدین سے علوم متداولہ پڑھتے۔

علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔ عالمیت یا فاضلیت کا امتحان (جس کی ترکی میں بہت اہمیت تھی اور جو شاہی حکم کے صادر ہونے کے بعد علماء کی کمیٹی کی نگرانی میں لیا جاتا تھا) دیا۔ شیخ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کے امتحان کے لئے جو کمیٹی تشکیل پائی تھی' اس میں اس دور کے بڑے بڑے علماء نامزد کردیئے گئے تھے۔ احمد عالم المتوفی ۱۳۲۹ھ اس کمیٹی کے صدر تھے۔ دیگر ارکان میں محمد اسعد الاخسوی (جو بعد میں شیخ الاسلام ہوئے) مصطفیٰ بن عظیم الاختنانی المتوفی ۱۳۳۶ھ' اسمٰعیل زہدی الطوسیوی المتوفی ۱۳۲۷ھ اور دیگر نامور علماء مقرر کئے گئے۔ یہ امتحان

پانچ سال کے بعد ہوتا تھا۔ شیخ اس امتحان میں بڑے امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کامیابی کے بعد ''جامع فاتح'' میں مدرس مقرر ہوئے۔ یہ زمانہ جنگ عظیم کا تھا۔ اتحادیوں کے قبضہ کے بعد اصلاح کے نام سے ''علوم دینیہ'' کو ختم کرنے کی کوشش جاری تھی۔ سب سے پہلے ان لوگوں نے علوم دینیہ کی مدت کم کرنا چاہی۔ اب تک تعلیم کی مدت پندرہ سال تھی۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مخالفت کی، بلکہ مدت میں اضافہ کیا اور سترہ سال تک مقرر کرائی۔ اتحادی اس سال بہت ناراض ہوئے اور اس وقت کے شیخ الاسلام کو معزول کرایا اور اپنے حسب منشا خیری آفندی الارکوانی کو شیخ الاسلام مقرر کیا۔ شیخ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی تدریس سے علیحدہ کرنا چاہا، لیکن علوم وفنون میں ان کی مہارت اور طلبہ میں ان کی مقبولیت کی وجہ سے یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔ البتہ شیخ کو دوسری جگہ منتقل کردیا۔ تین سال کے بعد شیخ وہاں سے استعفیٰ دے کر دوبارہ استنبول آگئے۔ اسی زمانہ میں استنبول یونیورسٹی میں فقہ کے ایک فاضل استاد کی ضرورت تھی۔ یونیورسٹی نے اس کے لئے امتحان مقرر کیا۔ بہت سے فضلاء اس امتحان میں شریک ہوئے۔ شیخ امتحان میں اول آئے، لیکن شیخ کو یہ عہدہ نہ دیا گیا۔ بعد میں شیخ کو درجہ تخصص کا استاذ مقرر کیا گیا۔ شیخ اپنے ساتھیوں میں سب سے کم عمر استاذ تھے۔ اس کے بعد شیخ وکیلِ شیخ الاسلام مقرر ہوئے۔ ترکی میں شیخ الاسلام کا منصب بہت اہم منصب تھا۔ تدریس علوم دینیہ، قضاء، اوقاف وغیرہ بہت سے امور اس سے متعلق ہوتے تھے اور ظاہر بات ہے کہ تنہا اس سے اس قسم کے کام نہیں ہوسکتے تھے۔ اس لئے وہ اپنے وکلاء مقرر کرتا تھا۔ شیخ کوثری رحمۃ اللہ علیہ وکلاء درس کی کمیٹی کے ایک رکن تھے۔ بعد میں کمیٹی کے رئیس بھی بنے۔ ترکی کے حالات علوم دینیہ اور اسلام ومسلمانوں کے لحاظ سے بدتر ہوتے جارہے تھے، یہاں تک کہ شیخ نے ترکی چھوڑ کر مصر میں اقامت اختیار کرلی۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''میں شیخ سے اس زمانہ میں ملا جب میں مجلس علمی ڈابھیل کی طرف سے **فیض الباری، نصب الرایہ** کی طباعت کے لئے مصر گیا۔ میں نے شیخ سے ہندوستان کے علماء کا تعارف کرایا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب **فتح الملہم** اور **اعلاء السنن** کا تعارف میں نے کرایا اور شیخ یہاں کے علماء سے متعارف ہوئے۔ میں نے بزمانہ قیام مصر دارالعلوم دیوبند اور اس کے علماء اور ان کی خدمات کے سلسلہ میں ایک مضمون لکھا، جو وہاں کے ہفت روزہ ''**الاسلام**'' میں کئی قسطوں میں چھپا۔ شیخ نے اس مضمون کو ذوق وشوق سے پڑھا اور داد دی۔ الاستاذ نا الکشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''**نیل الفرقدین**'' دیکھی۔ شیخ بڑے متاثر ہوئے اور وہ الفاظ کہے جو میں نے **نفحۃ العنبر** میں اس رسالہ کے سلسلہ میں لکھے ہیں۔ میں یہاں شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری سے بھی ملا تھا اور شیخ کا رسالہ ''**مرقاۃ الطارم فی حدوث العالم**'' دیا۔ شیخ صبری اس سے بہت محظوظ ہوئے اور اپنی کتاب **موقف العقل والنقل** میں اس کا ذکر بھی کیا ہے۔''

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر علمی کے مداح تھے۔ مصر وشام اور ترکی کے مخطوطات پر شیخ کی نظر تھی۔ حنفیت اور ماتریدیت میں شیخ کوثری کو تصلب تھا۔ شیخ کوثری کی تصانیف ومقالات' علم وعرفان کے خزانے ہیں۔

شیخ کی مستقل تصانیف کی تعداد ۵۱ ہے۔ مقدمات اور مقالات اس کے علاوہ ہیں۔ آپ کی بعض تصانیف زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں اور بعض ہنوز محفوظ ہیں۔

مشہور تصانیف یہ ہیں:

۱:...... المدخل العام لعلوم القرآن۔

۲:...... الاشفاق علیٰ احکام الطلاق۔

۳:...... بلوغ الامانی فی سیرت محمد بن الحسن الشیبانی۔

۴:...... تانیب الخطیب علی ماساقه فی ترجمة ابی حنیفة من الاکاذیب۔

۵:...... احقاق الحق بابطال الباطل فی مغیث الخلق۔

۶:...... الحاوی فی سیرة الامام ابی جعفر الطحاوی۔

۷:...... النکت الطریفة فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبه علی ابی حنفیه رحمة الله علیه۔

۸:...... الاستبصار فی التحدث عن الجبر والاختیار۔

۹:...... الامتاع بسیرة الامامین الحسن بن زیاد وصاحبه محمد بن شجاع۔

۱۰:...... حسن التقاضی فی سیرة الامام ابی یوسف القاضی۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ، شیخ کے متعلق فرماتے ہیں:

''وہ ایک ایسے شخص تھے جو انتہائی وسعت علمی، حیران کن مہارت، وقتِ نظر، خارقِ عادت حافظہ، محیّرانہ استحضار جیسی خصوصیات کے ساتھ ساتھ روایت کے تمام انواع واقسام، علمِ درایت کے تمام مقاصد ومدارک، مکارمِ اخلاق، خصائلِ حمیدہ، تواضع، قوت لایموت پر قناعت' زہد وتقویٰ، مصائب پر صبر واستقامت، کریمانہ ذات، اپنے خزائن علمیہ اور معارف گنجینہ میں سخاوت کے جامع تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بسیطہ ارض کے مختلف گوشوں کے نادر مخطوطات اور دنیا کے کتب خانوں کی معلومات پر وسیع علم رکھتے تھے۔

مزید برآں دین کی آبرو کی محافظت پر حمیت وغیرت اور ملت اسلامیہ تک حق بات پہنچانے میں صاف گو اور بے باک تھے''۔ (مقدمہ مقالاتِ کوثری)

ایک جگہ فرماتے ہیں:

”قرأت الكوثرى من قريب وقرأت الكوثرى كثيرا من قريب وبعيد وارى ان الحق والحق يقال‘ ان القوم لم يقدروا الكوثرى بما يستحقه من تقدير واجلال ذلك المحقق وذلك الجاثة الناقد وذلك الخلق الجميل والنبل الجزيل“.

ترجمہ:... ”میں نے علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ مرحوم کو قریب سے پڑھا اور ان کی تصانیف کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور میں سمجھتا ہوں کہ حق بات تو یہ ہے کہ قوم نے علامہ کوثری مرحوم جیسے ایک بڑے محقق، ناقد‘ متکلم، حسن وجمال کے مرکب اور چوٹی کے عالم کی شایانِ شان قدر نہیں کی“۔

اپنی پہلی ملاقات کا واقعہ سناتے ہوئے لکھتے ہیں:

”میں جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے انہیں اپنی ملاقات کا ایسا ہی راغب اور شائق پایا جیسا کہ میں ان کا تھا۔ پھر جب میں نے تفصیلی ملاقات کی تو مجھے یقین ہوگیا کہ اس شخص کا علمی مقام اپنی تصانیف اور مقالات سے بہت بلند وبالا ہے‘ اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مملکت مصر میں علم کا ایک بیش بہا خزانہ ہیں۔“

شیخ کی زندگی آلام ومصائب میں گزری، جس کی داستان بہت طویل ہے‘ آخر یہ آفتاب علم وعرفان ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ اتوار کے روز ظہر کے بعد غروب ہوگیا۔ شیخ کے مرقد پر جو لوح لگی ہوئی ہے‘ اس میں شیخ کے یہ تین شعر ہر زائر کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں:

یاواقفاً بشفير اللحد معتبراً — قد صار زائرامس اليوم قد قبرا
فالموت حتم فلا تغفل وكن حذراً — من الفجأة وادع للذى عبرا
فالزاهد الكوثرى ثاوٍ بمرقده — مسترحمًا للصفح منتظرًا

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور علمِ حدیث

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے دو اکابر مشائخ کا تعارف کرانے کے بعد اب ہم مولانا کے علمی وحدیثی مقام کا جائزہ لیں گے۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے علمِ حدیث میں حسبِ ذیل کام چھوڑا ہے:

۱:...... معارف السنن۔

۲:...... عوارف المنن، مقدمہ معارف السنن۔

۳:......مقدمه فيض البارى۔

۴:......مقدمة نصب الرايه۔

۵:...... مقدمه اوجز المسالک۔

۶...... مقدمه لامع الدراری۔

۷...... بغية الاريب فی احکام القبلة والمحاريب۔

مؤخر الذکر اس کتاب کو علمِ حدیث کے نام میں اس لئے شمار کیا' کیونکہ اس میں احادیث قبلہ کی شرح کی گئی ہے۔ سر دست معارف السنن پر تبصرہ پیشِ خدمت ہے۔

معارف السنن

یہ مولانا کی شاہکار تصنیف ہے' جوان کے علم وفن کی آئینہ دار ہے' چھ جلدوں میں اب تک کتاب الحج ختم کی ہے۔ کتاب الجنائز سے کتاب باقی ہے۔ معارف السنن جامع ترمذی کی مبسوط شرح ہے۔

جامع ترمذی

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب امام ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام بخاری دونوں کے طریقوں کی جامع ہے۔ ایک طرف انہوں نے اپنی کتاب میں احادیثِ احکام میں سے صرف ان احادیث کو لیا ہے کہ جن پر فقہاء کا عمل رہا ہے۔ دوسری طرف اس کو صرف احکام کے لئے مختص نہیں کیا' بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح سب ابواب کی احادیث کو لے کر اپنی کتاب کو جامع بنا دیا۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ علوم وفنونِ حدیث کو اپنی کتاب میں اس طرح سمویا ہے کہ وہ علمِ حدیث کا گنجِ گرانمایہ بن گئی۔ حافظ ابوجعفر بن الزبیر المتوفی ۷۰۸ھ صحاح ستہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وللترمذی فی فنون الصناعة الحديثية مالم يشارکه' غيره''۔

ترجمہ:...''امام ترمذی کو حدیث کے مختلف فنون کو جمع کرنے کے لحاظ سے جو امتیاز حاصل ہے' اس میں کوئی اور ان کا شریک نہیں''۔

حافظ ابوبکر بن العربی المتوفی ۵۴۳ھ اپنی شرح عارضۃ الاحوذی میں رقم فرماہیں:

''اس کتاب میں حسب ذیل چودہ علوم ہیں:

ا:...احادیث کی اس طرح تدوین کی جو عمل سے قریب کر دیتی ہے۔

۲:...بیان اسناد۔ ۳:...تصحیح۔ ۴:...تضعیف۔ ۵:...تعداد طرق۔ ۶:...جرح۔

۷:...تعدیل۔ ۸:...بیان اسم رواۃ۔ ۹:...کنیت رواۃ۔ ۱۰:...بیان وصل

۱۱:...بیان انقطاع۔ ۱۲:...معمول بہ اور متروک العمل روایات کی توضیح۔

۱۳:...بعض احادیث کے ردو قبول میں علماء کا بیان۔

۱۴:...حدیثوں کی توجیہ وتاویل میں علماء کے اختلاف وآراء کا ذکر۔

یہ وہ علوم ہیں کہ ان میں سے ہر ایک علم اپنی جگہ مستقل حیثیت رکھتا ہے۔“

حافظ ابوبکر بن نقط بغدادی المتوفی ۶۲۹ھ امام ترمذی کی زبان سے ناقل ہیں:

”صنفت هذا المسند الصحيح وعرضته على علماء الحجاز' فرضوا به' وعرضته على علماء العراق' فرضوا به' وعرضته على علماء الخراسان' فرضوا به' ومن كان في بيته هذا الكتاب فكانما في بيته نبي ينطق (۱)

ترجمہ:...”میں نے اس المسند الصحیح کو تصنیف کرکے علماء حجاز کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کو پسند کیا۔ علماء عراق کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کو پسند کیا اور علماء خراسان کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کو پسند کیا اور جس گھر میں یہ کتاب موجود ہے' اس کے گھر میں گویا پیغمبر موجود ہے جو خود بتا رہا ہے“۔

محدث بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے آخیر جملہ اپنے ایک شعر میں نظم کیا ہے، فرماتے ہیں:

کتاب ابی عیسیٰ کتاب مبارک
فطوبی لسفر کالنبی المکلم (۲)

خانوادہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ میں بھی اس کتاب کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مجموعی حدیثی فوائد کے لحاظ سے اس کتاب کو تمام کتابوں پر فوقیت دی گئی۔

اول:...اس وجہ سے کہ اس کی ترتیب عمدہ ہے اور تکرار نہیں ہے۔

دوم:...اس وجہ سے کہ اس میں فقہاء کا مذہب اور اس کے ساتھ ساتھ ہر ایک کا استدلال بیان کیا گیا ہے۔

سوم:...اس وجہ سے کہ اس میں حدیث کے انواع مثلاً صحیح، حسن، ضعیف، غریب اور معلّل بعلل وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔

چہارم:...اس وجہ سے کہ اس میں راویوں کے نام، ان کے القاب اور کنیت کے علاوہ ان فوائد کو بھی بیان کیا گیا ہے جن کا علم الرجال سے تعلق ہے“۔ (۳)

(۱)......ماخوذ از علم ماجہ وعلم حدیث از فاضل محقق مولانا عبدالرشید نعمانی دامت برکاتہم۔

(۲)......قصیدہ للمؤلف فی معارف السنن، ج:۶

(۳)......بستان المحدثین اردو ترجمہ، ص:۱۸۵۔

اس کے علاوہ جامع ترمذی احادیث ''حسان'' کا ایک معتبر مجموعہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی کا مقصد احادیث ''حسان'' سے واقف کرانا ہے۔ احادیث صحاح کا بیان استطراداً ہے۔ [1] امام ترمذی کی ولادت وفات اور عمر کے متعلق محدث بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کا ایک بیت ذکر کرتے ہیں:

الترمذی محمد ذو زین ''عطر'' وفاة عمره فی ''عین''[2]

۲۷۹ ۷۰

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی مسلک کے متعلق لکھتے ہیں:

''ترمذی کے متعلق یہ جو کہا جاتا ہے کہ وہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہ نسبت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مجتہد منتسب ہیں اور دقیق ومشکل جزئیات ومسائل میں ان کی تقلید کرتے ہیں، جیسا کہ جمہور محدثین کی تقلید کا طریقہ تھا۔ امام ترمذی، امام شافعی کے قول قدیم کو بروایت زعفرانی نقل کرتے ہیں اور اس کو جانتے ہیں اور قول قدیم کو ہی ان کا مذہب سمجھتے ہیں، حالانکہ قولِ قدیم شوافع کے نزدیک بعض مسائل میں متروک ہے۔''

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الانصاف میں ان کو امام احمدؒ واسحقؒ کی بہ نسبت مجتہد منتسب کہتے ہیں۔ بہرحال یا تو یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف مجتہد منتسب ہیں، جیسا کہ اکثر علماء طبقات وتراجم کی رائے ہے یا امام احمدؒ واسحقؒ کی طرف، جیسا کہ بعض کی رائے ہے، ان کی تقلید فروع میں امام طحاویؒ کی تقلید ابی حنیفہؒ کی طرح ہے۔ منتسبین فی المذہب کا طبقہ اصحابِ تخریج، اصحابِ ترجیح، اصحابِ تمیز سے بہت بلند ہے، اور ان میں سے ہر طبقہ کے درمیان وسیع میدان ہے۔[3]

راقم آثم نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے درس جامع ترمذی میں بارہا سنا کہ [4] ''میرے نزدیک امام ترمذی اسحاقی ہیں یعنی اسحق کے مجتہد منتسب ہیں۔''

امام ترمذی کی کتاب اور اس کے مختلف ابواب غور سے پڑھنے سے محدث بنوری کی رائے کی تائید ہوتی

---

(۱)...... توجیہ النظر للجزائری کے بیان سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

(۲)...... ۲۷۹ھ، ۷۰ سال۔

(۳)...... معارف السنن، ج:۲، ص:۵۶۔

(۴)...... راقم آثم نے دار العلوم دیوبند میں صحیح بخاری اور جامع ترمذی شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز سے پڑھی۔ اس طرح راقم کو حضرت موصوف کی کفش برداری کا فخر حاصل ہے، اس کے پندرہ سال بعد محدث بنوری سے جامع ترمذی جلد اول اور بخاری جلد اول کتاب العلم تک اور جلد ثانی کتاب المغازی عام درس میں شریک ہو کر سماع کی۔

ہے۔ان ہی گونا گوں خصوصیات کی بناء پر امام ترمذی کی کتاب ''الجامع'' علماء امت کا مرکزِ توجہ رہی۔ابن سید الناس الیعمری رحمۃ اللہ علیہ، ابوبکر عربی، حافظ ابو الفضل العراقی نے اس کی شرحیں لکھیں، جن میں ثانی الذکر کے علاوہ نایاب اور اہلِ علم کے استفادہ سے بعید ہیں۔جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سندھی نے عربی میں اور شیخ سراج احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی میں شرحیں لکھیں۔شروحِ اربعہ میں یہ شرحیں دیکھی جاسکتی ہیں، جس کی دو جلدیں دستیاب ہیں۔باقی جلدیں یا تو طبع نہیں ہوئیں یا نایاب ہیں۔ریاست ٹونک کے بعض امراء کی قدردانی سے یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوئی تھی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور دار العلوم دیوبند کے دورۂ حدیث میں بھی سنن ترمذی کو خاص اہمیت حاصل تھی، اختلافی مباحث اسی کتاب کے درس میں بیان کئے جاتے تھے۔رجال اور جرح وتعدیل کی ابحاث بھی اسی کتاب میں اٹھائی جاتی تھیں۔ہندوستان کے غیر مقلدین میں سے مولانا عبدالرحمن مبارک پوری نے ''تحفۃ الاحوذی'' کے نام سے اس کی مبسوط شرح لکھی تھی اور اس میں حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ پر بعض رکیک اعتراضات کئے تھے۔فقیہ الملت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سئی الحفظ وغیرہ کے القاب سے نوازا گیا تھا۔(۱) بذل المجهود اور العرف الشذی کی بعض عبارتوں کو بلا وجہ نشانۂ طعن بنایا گیا تھا۔ان حضرات نے عون المعبود اور غاية المقصود میں حنفیہ اور فقہ حنفی پر جو کچھ کہا تھا اس کا جواب محدث جلیل فقیہ کبیر حضرت علامہ خلیل احمد صاحب انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ نے کافی وشافی دے دیا تھا۔اس لئے ضرورت تھی کہ جامع ترمذی کی شرح مبسوط حلقہ علماء دیوبند وسہارنپور کی جانب سے کی جائے، جس کے ذریعہ بیک وقت علمِ حدیث اور حنفیت کی خدمت کی جائے۔محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کی شرح لکھنا چاہتے تھے۔(۲)

محدثِ جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اپنے نامور شاگرد محدث العصر برکۃ الدہر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی کو بھی بذل المجہود کی تالیف کے بعد ترمذی کی شرح لکھنے کی ترغیب ہی نہیں، بلکہ باصرار امر کیا تھا۔حضرت شیخ الحدیث فرماتے ہیں:

''میرے آقا ومرشد کا مجھے مکتوب گرامی ملا، جس میں ترمذی کی شرح لکھنے کا امر تھا۔خدا جانتا ہے کہ میں اس امر عظیم سے کانپ گیا اور میں نے حضرت شیخ کو بار بار معذرت لکھی اور اس پر اصرار کیا، لیکن شیخ نے عذر قبول نہیں کیا اور جبراً تعمیل کرنے کا حکم فرمایا اور ضرورت کے موقعہ پر مدد کا وعدہ فرمایا''۔(۳)

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے اس کی تعمیل بظاہر نہیں فرمائی۔اس کی وجوہ حضرت شیخ کی باقی تحریر

(۱)..... دیکھئے ابواب المستحاضہ، جلد اول

(۲) نفحۃ العنبر۔

(۳)..... مقدمہ اوجز المسالک طبع سہارنپور۔

میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ترمذی ''الکوکب الدری '' اور تقریر بخاری کی شرح اور مبسوط حواشی لکھ کر شیخ نے عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے اور دنیائے علم' شیخ کے اس کارنامہ کو ہمیشہ یاد رکھے گی، اور اس کے شیخ ومرشد کی روح مبارک اپنے نامور تلمیذ ومسترشد سے انشاء اللہ راضی وخوش ہوگی۔ اس پس منظر میں آپ جامع ترمذی پر ایک مبسوط شرح لکھنے کی عمومی ضرورت محسوس کرسکتے ہیں۔

خصوصی وجہ تحریر ''معارف السنن '' اور اس کے مختلف ادوار پر خود مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں:

''ہمارے شیخ محدث کبیر، حجۃ وثقہ، امام العصر مولانا محمد انور شاہ الکشمیری ثم الدیوبندی رحمہ اللہ اپنے زمانہ میں علومِ روایت کے مسند اور مشکلاتِ علوم اور مشکلاتِ حدیث کے مدار تھے۔ آپ کے بخاری اور ترمذی کے دروس، بے نظیر ابحاث، نفیس تحقیقات، روایت ودرایت اور حدیث وفقہ کے لحاظ سے ممتاز تھے' مشکلاتِ علوم کے حل، جس میں آپ نے عمر کا ایک بڑا حصہ خرچ کیا تھا، آپ کے درس کا طرۂ امتیاز تھا۔

شرکاء درس آپ کی درسی تقاریر قلمبند کرتے تھے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ صحیح طور پر آپ کے دروس کو وہی شخص ضبط کرسکتا تھا جو علومِ روایت ودرایت سے سرشار، ذکی، بیدار، قوی الحواس ہو، ایک لمحہ اور ایک سیکنڈ بھی بغور سننے سے غافل نہ ہو' اور ایسے لوگ کم ہیں۔ پھر جو لوگ لکھتے تھے وہ یا تو درس میں لکھتے تھے یا درس سے فراغت کے بعد قید کتابت میں لاتے تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ شیخ کے یہاں املاء کا طریقہ بھی نہ تھا۔ شرکاء درس کی تحریرات کی حیثیت یادداشت سے زیادہ نہ تھی، یہ حضرات پورے درس کو قطعاً ضبط نہیں کرسکتے تھے۔

درس میں لکھنے والوں میں سے تیز رفتار بھی ثلث یا اس سے زیادہ کو چھوڑ دیتا تھا۔ جامع ترمذی کی تقاریر میں سے ایک تقریر ''العرف الشذی '' کے نام سے طبع ہوئی تھی۔ اس تقریر میں ضبط کی غلطیاں، تعبیرات میں سہو، بیان میں نقص اور مباحث تشنہ تھے۔

مجلس علمی ڈابھیل (جس کا مقصد حضرت امام العصر کی تصانیف کی اشاعت تھا) کے کارپردازوں نے تقریر مذکور کی خدمت میرے سپرد کی' میں ان کی غلطیوں کی تصحیح، نقائص کا ازالہ، فوت شدہ مباحث کا اضافہ، مصادق وماٰخذ کی مراجعت سے کروں، یہ پچیس سال پہلے کی بات ہے (اس پر مولانا نے لکھا ہے کہ یہ تحریر میں نے سات سال پہلے لکھی ہے۔ جب چھٹی جلد طبع ہورہی تھی اور چھٹی جلد کے طبع کو بھی ۶،۵ سال ہوچکے ہیں)۔

میں نے اس طرح کتاب پر کام شروع کردیا اور کتاب الطہارت سے کتاب الحج تک پہنچ گیا' لیکن یہ طرزِ تالیف موجودہ ذوق کے مطابق نہ تھا۔ اس پر پندرہ سال گزر گئے' پھر میں نے دوسرے طرز پر کتاب کو مرتب کیا''۔ (۱)

مولانا سے زبانی جو کچھ راقم نے سنا' اس کا حاصل یہ تھا کہ مولانا سے پہلے ''العرف الشذی '' کی

(۱)......آخر جلد ۶ بعنوان تنبیہ فی ادوار تالیف معارف السنن۔

صرف تخریج اور تصحیح کے متعلق کہا گیا تھا۔ مولانا نے سب سے پہلے اس کی تصحیح کی، غلطیاں درست کیں۔ تعبیرات تبدیل کیں۔ ''العرف الشذی'' کا تصحیح شدہ نسخہ حضرت کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس میں آخر کتاب کی تصحیح موجود ہے' یہ خود ایک مستقل کام ہے۔ اگر اس تصحیح شدہ ''العرف الشذی'' کو چھاپ دیا جائے تو یہ بھی حدیث کی خدمت ہوگی اور شائقینِ علم حدیث اور طلبۂ دورۂ حدیث کے لئے خزینۂ بے بہا' کیونکہ اس میں آخر کتاب ترمذی تک اجمالاً فوائد آ گئے ہیں۔

''العرف الشذی'' کی اصلاح کا مولانا بار بار معارف السنن میں ذکر کرتے ہیں۔ اس کو ہم علیحدہ عنوان سے بیان کر رہے ہیں۔ اصل مسودہ معارف السنن' راقم نے دیکھا اور اس کو بار بار پڑھا ہے۔ اس میں مولانا کا طریقہ یہ تھا کہ ''قال'' کہہ کر العرف الشذی کی عبارت لکھتے ہیں اور پھر ''اقول'' کہہ کر اس کی تخریج کرتے ہیں یا اضافہ کرتے ہیں۔ کراچی، پاکستان آنے کے بعد آپ نے اصل اور شرح کو دمج کیا اور دونوں کو مربوط کر دیا۔ یہ کام مولانا کے شاگرد رشید مولانا امین اللہ صاحب بہاولپوری نے رات دن محنت کر کے کیا۔ پانچ جلدوں میں کہیں کہیں خال خال یہ جو بے ربطی نظر آتی ہے، یہ اسی وجہ سے ہے کہ یہ کام بعد میں ہوا۔ (یہ بھی مولانا کا جملہ ہے۔ میں صرف ناقل ہوں)۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ: اگر میں ''العرف الشذی'' کے ساتھ پابند نہیں ہوتا اور صرف تخریج میرے ذمہ نہیں ہوتی تو اس کتاب کا رنگ اس سے مختلف ہوتا۔ چھٹی جلد جس میں پوری کتاب الحج کی شرح ہے مولانا نے تخریج سے آزادہ کر کی ہے۔ اپنے حسب منشاء شرح کی ہے' اس لئے اس کا رنگ جدا ہے۔ چھٹی جلد کی تصنیف کا مشاہدہ مدرسہ میں سب نے کیا ہے۔ اس سرعت کے ساتھ لکھتے کہ عقل حیران رہ جاتی' ادھر کتاب کی کمپوزنگ ہو رہی تھی، دوسری طرف مولانا مباحث حج میں ڈوبے ہوئے شرح لکھ رہے تھے۔ کبھی کبھی اس کے معرکۃ الآراء مباحث دوران تصنیف بھی سناتے تھے۔ تبییض وتسوید ساتھ ہی ساتھ تھی اور یہ بات پوری کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مولانا کا خود نوشت مسودہ موجود ہے۔ اس میں بہت کم قلم زد کئے ہوئے مقامات ملیں گے۔ البتہ اضافے مل جائیں گے۔ اپنی شرح کے متعلق یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

''اختلافی مباحث کے لئے میں اس زمانہ میں موزوں تھا' جب جوش، ولولہ، جدوجہد، تلاش وجستجو کا شوق ان سب کی فراوانی تھی، اور اب جو مباحث رہ گئے ہیں خصوصاً ''ابواب الفتن، ابواب التفسیر، ابواب الآداب، ابواب الزهد کے لئے میں موزوں ترین ہوں۔ ان کی شرح میں ذوق کی ضرورت ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نے محروم نہیں فرمایا۔''

مولانا یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

''اگر قیامت قریب نہیں ہے تو اس کتاب کی ضرورت باقی ہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔''

تلاش وجستجو

محدث بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے تلاش وتفحص اور مظان وغیر مظان سے اپنے شیخ کے علوم کی تخریج وتوضیح کا حق ادا کردیا ہے۔ محدث کشمیری بحرِ بے کراں تھے۔ آپ کے درس میں حدیث کی روایت درایت اور دوسرے مسائل کے سلسلہ میں دوسرے علوم وفنون کے حوالے آجاتے تھے۔ کہیں نحو وصرف کا مشکل حوالہ آجاتا، کہیں علم کلام وفلسفہ کا کوئی مسئلہ زیر بحث آجاتا' پھرایسی کتابوں کے حوالے آجاتے جو عام طور پر اہلِ علم کے یہاں متداول نہیں تھیں۔ مولانا نے متداول وغیر متداول کتابوں سے مسائل نکالنے میں کوئی کسر نہیں اٹھارکھی اور اس کے لئے بے نظیر محنت کی شاندار مثال قائم کی' چند مسئلوں کی تحقیق کے لئے کئی کئی کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑی تب جاکر مسئلہ دستیاب ہوا۔ خودفرماتے ہیں:

''میں نے اپنی قوت وطاقت' تخریج اور مآخذ کے مطلع ہونے پر پوری طرح صرف کی، ورق گردانی مظان وغیر مظان سے مسئلہ نکالنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ کبھی میں ایک مسئلہ کی تلاش میں گھڑیاں ہی نہیں' بلکہ کئی کئی راتیں اوردن گزاردیتا اوراس کے لئے ایک کتاب کی مجلدات پڑھتا اور جب مجھے اپنی متاع گمشدہ مل جاتی تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا' شیخ نے دورانِ درس جس کتاب کا حوالہ دیا ہوتا، اس سے مسائل نکالنے کا التزام کررکھا تھا۔ لہٰذا میں کتاب سیبویہٖ رضی شرح **کافیہ' دلائل الاعجاز ، اسرار البلاغة، عروس الافراح، کشف الاسرار** دیکھنے پر مجبور تھا جس طرح میں شروحِ حدیث کی اہم کتابیں فتح الباری، عمدۃ القاری اورفقہ مذاہب میں شرح مہذب، مغنی لابن قدامہ اوررجال میں کتب رجال دیکھنے پر مجبور تھا۔ اگر میری جوانی، بحث وجستجو کا شوق اور شیخ کے جواہر پارے سمیٹنے کا عشق نہ ہوتا تو میں اس بارگراں کا اہل نہیں تھا۔ حدیث کی اہم کتابوں میں سے کسی کتاب کی شرح میرے لئے اس کٹھن کام سے بہت زیادہ تھی اور میں اس کی دومثالیں پیش کرتاہوں۔ جس سے میری محنت کااندازہ اورمیرے مقصد سے پردہ اٹھ جائے گا۔

شیخ نے بعض متعارض روایات کے جمع کے سلسلہ میں ایک قاعدہ **''ذکر کل مالم یذکرہ الآخر''** کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ''یہ قاعدہ بہت اہم ہے۔ اصولِ حدیث پر لکھنے والوں کو اس سے اعتناء کرنا چاہئے تھا' لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری رحمۃ اللہ علیہ میں چند مقامات پر اس کو ذکر کیا ہے۔

میں نے فتح الباری کی ضخیم جلدیں اٹھائیں اوراس قاعدہ کی تلاش کردی' تقریباً دس سے زیادہ مقامات پر پوری کتاب میں اس کو تلاش کرلیا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف صحابہ کے سلسلہ میں ایک مرتبہ ارشاد فرمایا ''ابوزید دبوسی نے سچ کہا کہ جس مسئلہ میں فقہاء صحابہ کا اختلاف ہوجائے' اس سے پوری طرح نکل جانا یا

اختلاف کا فیصلہ کر کے پوری طرح ایک طرف ہو جانا کہ دوسری جانب کچھ نہ رہے، بہت مشکل ہے۔"

اب میں نے ابوزید دبوسی کی کتاب تأسیس النظر مطالعہ کی، اس میں مجھے نہیں ملا، دل آیا کہ شاید شیخ ابوزید دبوسی نے یہ مسئلہ اسرار الخلاف یا تقویم الادلہ میں تحریر کیا ہو، لیکن یہ دونوں کتابیں مخطوطہ ہیں۔ پھر دستیاب بھی نہیں، اس کے بعد دل میں آیا کہ شاید شیخ نے امام دبوسی کا یہ قول بالواسطہ لیا ہو اور کشف الاسرار للشیخ عبدالعزیز البخاری اور شرح التحریر لابن أمیر الحاج کا خیال آیا۔ دونوں کو دیکھنا شروع کیا اور دونوں میں مسئلہ کو موجود پایا"۔ (۱)

تلاش وجستجو اور ذوق تحقیق کی یہی دو مثالیں نہیں، بلکہ "معارف السنن" میں اس کی مزید مثالیں ملتی ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ "باب ماجآء ان مفتاح الصلاۃ الطهور" میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث "مفتاح الصلاۃ الطهور و تحریمها التکبیر و تحلیلها التسلیم" لائے ہیں۔ شیخ انور صاحب نے اس کے ذیل میں بعض اصولی اور فقہی مباحث اٹھائے ہیں۔ اس طرح کہ طلبہ حدیث کے لئے یہ ابحاث مشعلِ راہ ہوں اور وہ ان کو سامنے رکھ کر دوسری احادیث سمجھ سکیں اور اختلاف الائمہ کے منشا سے واقف ہوں۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان مباحث کی شرح میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور حق ادا کر دیا۔ بحث کے خاتمہ پر فرماتے ہیں:

> "راعیت فی شرح هذا الحدیث ماافاده الشیخ فی امالیه علی جامع الترمذی، وماسمعت منه رحمه الله فی درسه، وراجعت فی شرحه الی نحو اربعین کتابا من الحدیث والفقه واصوله والمعانی والبیانی وغیرها فی هذا الموضوع راعیًا غرض الشیخ ولم آل جهدًا فی توضیحه وترتیبه".

ترجمہ:... "میں نے اس حدیث کی شرح میں شیخ کی تقریر ترمذی اور جو کچھ میں نے شیخ سے درس سے سنا تھا ان سب کو ملحوظ رکھا اور حدیث، فقہ، اصول الفقہ، معانی، بیان وغیرہ کی چالیس کتابوں کی طرف مراجعت کی اور شیخ کے مقصد کی وضاحت اور ترتیب میں کوئی کوتاہی نہیں کی"۔

محدث بنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں "العرف الشذی" کی تحقیق وتوضیح ہی نہیں، بلکہ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری ادق اور مشکل کتابوں کی شرح وتوضیح بھی کی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے جو کچھ سنا تھا، اس کو بھی اس شرح میں محفوظ کر دیا۔

---

(۱)...... تنبیہ ادوار تالیف معارف السنن آخر جلد ۶، صفحہ ۶۶۶

حدیث ترمذی ''ویل للاعقاب من النار '' کے تحت آیت وضوء میں قرأۃ الحبر پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ بحث ختم کرتے ہوئے تذئیل البحث السابق من کلام الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے عنوان سے اس مسئلہ پر نظر مکرر ڈالی ہے۔اس کی ابتداء میں فرماتے ہیں:

''بحثت فامعنت فی البحث والتقریب مواطن التحقیق' فاستقصیت فی الاستقراء' فلم اصادف کلاماً اجمع فی البحث' واوفی للغرض' واتقن فی الموضوع' ثم کل ذلک اشفی للقلب من کلام شیخنا امام العصر ھذا فی کتابہٖ مشکلات القرآن' ولم اقدر علی تلخیصہ' ولایکاد یقدر علیہ احد الا بحذف من اجزائہ' فانہ کلام کلہ' روح ولباب لیس فیہ حشو''. (۱)

ترجمہ:...''میں نے بحث میں غور وفکر کیا' تحقیقِ مسئلہ کے مقامات کو دیکھا اور اس سلسلہ میں کوئی مقام نہیں چھوڑا، لیکن مجھے اپنے شیخ العصر کے کلام سے زیادہ جامع، پختہ اور دل کو مطمئن کرنے والا کلام نہیں ملا جو آپ نے مشکلات القرآن میں فرمایا ہے' میں اس کی تلخیص پر قادر نہیں اور کوئی بھی قدرت نہیں رکھتا' اِلاَّ یہ کہ اس کے بعض اجزاء کو حذف کردے' کیونکہ کلام روح ومغز ہے، اس میں حشو نہیں''۔

''حدیث قلتین '' کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک لطیف توجیہ نقل کرتے ہوئے رقم فرما ہیں:

''وھنا وجہ لطیف آخر لشیخنا سمعتہ منہ شفاھًا فی درس جامع الترمذی فی ذی الحجۃ ۱۳۴۶ھ''.

ترجمہ:...''اور یہاں ایک لطیف توجیہ بھی ہے جو ہمارے شیخ کے ذہن میں آئی، میں نے براہ راست شیخ سے جامع ترمذی کے درس ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ میں سنی''۔

محنت اور تحقیق کی مثالوں سے کتاب بھری ہوئی ہے ''باب الوضوء بالنبیذ'' پر تفصیلی اور تحقیقی بحث کے بعد لکھتے ہیں:

''میں نے اس مسئلہ کی تحریر کے وقت بدائع ، بحر الرائق ، فتح القدیر ، المجموع للنووی ، عمدۃ القاری ، نصب الرایہ' ابوداؤد اور اس کی شروح ، عارضۃ الاحوذی ، دار قطنی ، بیہقی ، الجوہر النقی ، تہذیب ، تقریب ، اصابہ ، استیعاب مطالعہ کیں اور شیخ کے مقصد کو ان کتابوں کی روشنی میں حل کیا''۔(۲)

(۱)......معارف السنن' ج:۱' ص:۱۹۹
(۲)......معارف السنن' ج:۱' ص:۳۱۶

سور کلب کے سلسلہ میں شیخ نے فرمایا تھا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے وبری نے استحباب سبع کی روایت نقل کی ہے۔ کمافی شرح التحریر لابن امیر الحاج۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مقامات مظنونہ تلاش کئے، لیکن روایت نہیں ملی۔ تلاش وجستجو جاری رہی، آخر شیخ کی ایک یادداشت ملی جس میں تحریر تھا:

''هو' ای سبع مرات عند ابی حنیفه للاستحباب نقله' فی التقریر شرح التحریر من باب التعارض عن الوبری عن ابی حنیفة''.

ترجمہ:... ''سات مرتبہ دھونا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک استحباب کے لئے ہے' باب التعارض میں تقریر شرح تحریر میں وبریؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا''۔

تب مجھے معلوم ہوا کہ نقل اپنے محل پر نہیں' بلکہ غیر محل پر مذکور ہے۔ (۱)

بعض مباحث میں مدت تک غور وفکر کیا اور پھر اپنی تحقیق کا نچوڑ کتاب کے حوالہ کردیا' بحث تیمّم میں حدیث عمار پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وانی قد اطلت تفکیری فی ذلک وعنیت بالبحث عنه منذ زمان الاخذ والتحصیل' فاوضحت ما ادّانی الیه البحث والکشف''. (۲)

ترجمہ:... ''طالب علمی کے زمانہ سے اس پر غور وفکر کرتا رہا اور اس کو موضوع بحث بنایا' اپنی بحث وتحقیق کا نچوڑ وضاحت کے ساتھ حاضر ہے''۔

بعض چیزیں وقت پر نہیں ملیں، لیکن تلاش وجستجو جاری رہی تھی' کئی سالوں کے بعد دستیاب ہوگئیں۔ مثلاً گفتگو اس پر ہے کہ قتادہ کا سماع ابوالعالیہ سے ہے یا نہیں۔ شعبہ کا قول امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ تین حدیثیں قتادہ نے ابوالعالیہ سے سنی ہیں۔

۱:... حدیث عمرؓ جس میں صبح وعصر کی نمازوں کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔

۲:... حدیث ابن عباسؓ جس میں ارشاد ہے کہ کسی کو سزاوار نہیں کہ کہے میں یونس بن متّٰی سے بہتر ہوں۔

۳:... حدیث علیؓ کہ قاضی تین قسم کے ہیں: العرف الشذی میں تیسری حدیث کے بارے میں ''السنن الکبریٰ للبیهقی'' کا حوالہ دیا ہوا تھا۔ میں نے سنن کبریٰ اور حدیث کی دوسری اہم کتابیں دیکھیں، لیکن کہیں بھی یہ حدیث مرفوع نہیں ملی۔ حضرت علیؓ کی موقوف حدیث ملتی تھی۔

بیس سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد عجلان مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے مرفوع ملی۔ فرماتے ہیں:

---

(۱)...... معارف السنن' ج:۱' ص:۳۲۴

(۲)...... معارف السنن' ج:۱' ص:۴۸۵

''وظفرت به بعد برهة طويلة من الدهر تزيد علىٰ عشرين سنة فى الاصابة مرفوعا عن عجلان''. (۱)

ترجمہ:...''بیس سال سے زائدعرصہ گزرنے کے بعد مجھے یہ حدیث الاصابۃ میں عجلان سے مرفوعاً ملی''۔

محدث بنوری نے اس شرح میں نہ صرف العرف الشذی اور شیخ کی دوسری مطبوعہ کتابوں سے فائدہ اٹھایا، بلکہ شیخ کی یادداشتیں اور آثار السنن للنیموی پر شیخ کے حواشی نادرہ سے بھی فائدہ اٹھایا۔ الرکعتین قبل المغرب کی بحث کے سلسلہ میں رقم فرماہیں:

''وفى مذكرة مخطوطة للشيخ رحمه الله وهو فى الكنز''. (۲)

ترجمہ:...''شیخ کی خطی یادداشت میں ہے کہ یہ حدیث کنز العمال میں ہے''۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''والدلائل والشواهد على ماقال شيخنا مبسوطة فى مذكرته كما افاده''. (۳)

ترجمہ:...''شیخ کے قول پر دلائل وشواہد شیخ کی یادداشت میں بالتفصیل مذکور ہیں''۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

''قال الشيخ رحمه الله فيما كتبه على آثار السنن'' (۴)

ترجمہ:...''شیخ نے آثارالسنن پر جوتحریر فرمایا ہے، اس میں کہا ہے''۔

اکابر دیوبند کی کتابوں سے بھی فائدہ اٹھایا اوران کے علوم کو بھی اس شرح میں جمع کیا۔ جماعت ثانیہ کی بحث کے دوران فرماتے ہیں:

''ولقد صنف مولانا الشيخ رشيد احمد الكنكوهى رحمه الله تعالىٰ رسالة سماها القطوف الدانية فى حكم الجماعة الثانية''. (۵)

ترجمہ:...''حضرت شیخ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں ''القطوف الدانیہ'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے''۔

اپنے شیخ محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے کسی حدیث کا حوالہ دیا اوران کے الفاظ کے ساتھ وہ حدیث نہ مل سکی تو اس کے قریب تر الفاظ سے حدیث کی تخریج کردی۔ (جیسا کہ حضرت بنوریؒ نے فرمایا)

---

(۱)......معارف السنن، ج:۲، ص:۱۳۰۔

(۲)......معارف السنن، ج:۲، ص:۱۴۵۔ (۳)......ج:۲، ص:۱۵۴۔

(۴)......معارف السنن، ج:۲، ص:۲۱۷۔

(۵)......ج:۲، ص:۲۸۷۔

’’ولم اقف علیه بهذا اللفظ‘ ولا بهذا المعنی مع جهد بالغ فی تصفح ماعندی من الکتب‘ واقرب شیء الی هذا ماذکره القرطبی فی تفسیره عن زربن حبیش‘‘.(۱)

ترجمہ:...’’میرے پاس جس قدر کتابیں تھیں، ان کی ورق گردانی کے بعد اس لفظ اور اس معنی کی کوئی حدیث نہیں ملی۔ تاہم قریب ترین حدیث وہ ہے جس کو قرطبی نے اپنی تفسیر میں زربن حبیش سے نقل کیا ہے‘‘۔

مولانا فرماتے تھے کہ جس وقت میں ڈابھیل میں معارف السنن لکھ رہا تھا‘ اسی زمانہ میں حضرت محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر حواشی لکھ رہے تھے اور بخاری اور ترمذی پڑھا رہے تھے‘ اس لئے حدیث وفقہ اور دوسرے فنون کی اہم کتابیں سب مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھیج دی جاتی تھیں‘ اس لئے میرے پاس ذخیرۂ کتب کم تھا۔ فقہ الحنفی کی کتاب الفوائد السمیہ فی شرح الفوائد السنیہ للکواکبی جس کا حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حوالہ دیا، فرماتے ہیں:

’’ثم ان الکتاب المذکور لیس عندی حتی احکیه بلفظه فارجو الناظر ان یعذرنی فی عدم حکایة لفظه‘‘.(۲)

ترجمہ:...’’پھر یہ کتاب میرے پاس نہیں‘ تاکہ میں اس کے الفاظ نقل کروں، ناظرین سے امید ہے کہ مجھے اس سلسلہ میں معذور سمجھیں گے‘‘۔

معارف السنن میں اہم موضوعات پر کلام و بحث یا شیخ کے چھیڑے ہوئے مباحث پر تحقیق و تنقیح تو آپ کو ملے گی‘ مگر غیر اہم مباحث یا شراح حدیث کے بحث شدہ مسائل پر خواہ مخواہ کلام کر کے کتاب کو طویل نہیں بنایا گیا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

’’راعیت فی شرح الحدیث ماتعرض الیه الشیخ رحمه الله تعالیٰ فی امالیه علی الترمذی ولم اتعرض لبقیة الشرح الا ماظننت انه فی غایة الاهمیة وذلک لامرین: اما اولا: فلاقتصارنا علی ماهو الاهم اوعلی ماخفی‘ وثانیا: فلما بسط فیه الکلام الشاحان البدر والشهاب‘‘.(۳)

ترجمہ:...’’شیخ نے اپنے امالی میں شرح حدیث کے سلسلہ میں جن امور سے تعرض کیا، میں نے ان کو ملحوظ رکھا‘ باقی امور سے دو وجہوں کی بناء پر تعرض نہیں کیا۔

(۱)......معارف السنن‘ ج:۳‘ ص:۲۳

(۲)......معارف السنن ج:۳‘ ص:۷۹۔

(۳)......ج:۲‘ ص:۱۶۷۔

ا:...اہم اور مشکل مسائل پر بحث ہمارا موضوع ہے،۲:... بدر وشہاب اس پر مفصل کلام کر چکے ہیں۔

موضوع کے مختلف گوشوں پر مزید بحث وتحقیق کے لئے مآخذ کی نشاندہی اس شرح میں مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا خاص طریقہ ہے۔اس کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے۔حضور اکرم ﷺ کے ''مرض الوفات'' پر ایک حدیث کے سلسلہ میں بحث کے اختتام پر فرماتے ہیں:

''جو شخص موضوع کے مختلف گوشوں پر واقف ہونا چاہے' اس کو چاہئے کہ عمدۃ القاری جلد ثانی ،صفحات ۴۵،۴۶،۲۷،۵۷،۱۷،۱۸،۱۷،۱۹،۱۷،۱۴،۱۷،۱۵،۱۷،۳۵،۱۷،۷،اور جلد ثالث کا صفحہ:۹۷ اور جلد ثامن' ص:۴۳۷،۴۳۸ اور فتح الباری جلد ثانی ،صفحات ۱۲۹،۱۳۰،۱۳۱،۱۳۸،۱۴۴،۱۴۵،۲۰۴ اور جلد اول کا صفحہ ۲۶۲ اور جلد رابع کا صفحہ ۲۵۶ اور جلد ثامن کا ۱۰۸ و مقدمہ کا صفحہ ۲۰۹ اور شرح مواہب جلد ا،۳۸۳ اور نصب الرایہ جلد ۲،صفحہ ۴۴ مع التعلیقات اور بدایہ ونہایہ جلد:۵' صفحہ:۲۳۲ اور سیرۃ حلبیہ جلد ۳ کا آخر مطالعہ کرے۔

اور پھر فرماتے ہیں:

''وهذا ما وقفنا عليه وقرأناه بدقة وتفكير' واقتنعنا الآن بالاجمال بالدلالة على مأخذ البحث اعانة لمن اراد التحقيق''۔ (۱)

ترجمہ:...''اور یہ وہ حوالہ جات ہیں جن تک ہماری رسائی ہوسکی اور جنہیں انتہائی غور وفکر سے ہم نے پڑھا اور اب اجمال کے پیش نظر مزید تحقیق کرنے والے کی معاونت سمجھتے ہوئے ہم نے صرف بحث کے مآخذ و مراجع کی طرف نشاندہی کرنے پر اکتفا کی''۔

بعض مقامات پر باوجود قصد اختصار کے اختصار نہ کر سکے۔پھر چونکہ شیخ نے اس مسئلہ پر طویل بحث کی تھی' اس لئے اس کی ابحاث کی توضیح وترتیب اور پھر ساتھ ہی ساتھ العرف الشذی کی اغلاط ومسامحات نے تھکا دیا' لیکن ہمت نہیں ہاری اور طلبہ علم حدیث کے لئے بحث کے سارے گوشوں کو واضح کر کے چھوڑا۔مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے خاتمہ پر فرماتے ہیں:

''باوجود قصد اختصار اس مسئلہ پر کلام طویل ہوگیا۔کیونکہ شیخ نے اپنے امالی میں بسط وایضاح سے کام لیا تھا' میں نے ابحاث کی ترتیب میں سہولت کی خاطر بہت محنت کی' پھر العرف الشذی میں صحیح ضبط نہ ہونے کی وجہ سے بہت پریشان ہوا اور مجھے اس نے تھکا دیا، طلبہ علم سے درخواست ہے کہ میری محنت سے اگر فائدہ اٹھائیں گے تو مجھے دعوات صالحہ میں یاد رکھیں''۔ (۲)

(۱)......معارف السنن ج:۳'ص:۱۷۹۔

(۲)......ج:۳'ص:۲۸۹۔

محدث بنوریؒ اور شرح حدیث

محققانہ طریقہ پر شرح حدیث اور اس کے متعلقات پر بحث کرنے کے لئے جن صفات وکمالات و ملکات کی ضرورت ہے، وہ راقم کے نزدیک حسبِ ذیل ہیں:

۱:......توبہ وانابت، خوف وخشیت الٰہی۔

۲:......رسول اکرم ﷺ سے غایت درجہ کی محبت وعشق' ان دونوں کا لازمی نتیجہ صفاء قلب ونور باطن ہے۔

۳:......اذکار واوراد اور عمل بالحدیث کا شوق وجذبہ۔

۴:......متونِ حدیث پر نظر۔

۵:......رجال وطرق وعلل سے آگہی بشمول اصولِ حدیث وغیرہ۔

۶:......مذاہبِ اربعہ کی اصل کتابوں اور مآخذ سے واقفیت' بشمول اصول فقہ وعلم الخلاف۔

۷:......عربیت میں پختگی۔

۸:......کلام وفلسفہ اور حقائق پر نظر۔

۹:......وسعت وسرعتِ مطالعہ۔

۱۰:......قلم کی روانی وسلاست۔

محدث بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ ساری صفات وملکات حاصل تھیں۔

قلم کی روانی وسلاست کا یہ عالم ہے کہ عربیت اور زبان عربی کے لحاظ سے یہ شرح تقریباً تمام ہمعصر شرحوں پر فائق ہے۔ حافظ فضل اللہ التوربشتی شارح شرح السنۃ للبغوی کے بعد شاید حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں جن کی زبان کو عربی ادب کے جواہر پارے یا شہ پارے کہا جاسکتا ہے۔ ابحاثِ مشکلہ میں قلم کی روانی میں فرق نہ آئے' مصنف کا کمال ہے، داستانِ ہجر وعشق، وارداتِ قلب اور عشق ومحبت کی کیفیات میں زبان وقلم پر قابو پانا آسان ہے' البتہ علوم اور ان کی ابحاث میں ادبیت کو برقرار رکھنا مشکل ہے اور محدث بنوری اس مشکل پر پوری طرح قابو یافتہ ہیں۔ اس کی ایک نہیں' سینکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

وسعت وسرعتِ مطالعہ کا عالم تو آپ اوراق گزشتہ میں دیکھ چکے ہیں۔ کلام وفلسفہ وحقائق کی ابحاث کتاب میں موجود ہیں۔ عوالم کی بحث، روح کی حقیقت، مسئلہ صفات، عینیت وغیریتِ صفات کا مسئلہ، ان کے علاوہ دوسرے کلامی مسائل دعویٰ کا ثبوت ہیں۔ صرف ونحو، اشتقاق ولغت میں حضرت بنوری کو کمال حاصل تھا۔ عربی زبان پر عبور تھا۔ عربی زبان کے بے بدل شاعر تھے۔ ان کے قصائد وابیات ہندوستان کے بڑے سے

بڑے عربی شاعر کے مقابلہ میں پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اہل زبان کی طرح فصیح عربی بولتے تھے۔

مذاہب اربعہ کی کتابوں اور اصل مآخذ سے استخراج پوری کتاب میں نظر آتا ہے، وہ جب مذہب حنفی لیتے ہیں تو قاضیخان، فتح القدیر، بحر الرائق سے اور مذہب شافعی شرح مهذب للنووی سے اور مذہب مالک مدونۃ الکبریٰ یا مالکیہ کی کتابوں سے اور مذہب حنابلہ المغنی لابن قدامه سے لیتے ہیں۔ کبھی بالواسطہ حوالوں پر اکتفا نہیں کرتے۔ قاضی شوکانی کی نیل الاوطار مولانا کے یہاں نقل مذہب یا دوسری ابحاث میں مدار نہیں، جبکہ عام شارحین اسی سے مذاہب نقل کرتے ہیں۔ شوکانی سے مولانا نے صرف ابن سید الناس الیعمری کی شرح ترمذی کے بعض جملے نقل کئے ہیں، کیونکہ موخر الذکر شرح مولانا کے سامنے نہیں تھی۔

رجال وطرق اور علل سے آگہی کی سینکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں، متونِ حدیث پر نظر بھی اس کا اندازہ ناظرین کتاب دیکھ کر خود کرسکتے ہیں۔ اذکار واد وار اور عمل بالحدیث سے شیفتگی مولانا کی پوری زندگی میں نظر آتی ہے۔ علماء میں شاید سب سے زیادہ دعائیں آپ کو یاد تھیں۔ شرح کتاب میں جہاں ادعیہ واوراد کا ذکر آتا ہے تو اس کو شرح وبسط سے ذکر کرتے ہیں۔ استخارہ سے خاص شغف تھا، کوئی کام بلا استخارہ نہیں کیا۔

رسول اکرم ﷺ سے عشق ومحبت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی حضور ﷺ کا نام نامی آتا، آنکھیں پرنم ہوجاتیں۔ مدینہ طیبہ میں زیارت واعتکاف کے موقعہ پر اس محبت وعشق کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ مسجد نبوی اور مواجہہ شریفہ کا احترام واکرام واجلال طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔ کئی بار خواب میں زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہوئے۔ توبہ وانابت اور خوف وخشیت سے سرشار تھے۔ ڈرنے والا دل، رونے والی آنکھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی تھی۔

الغرض حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ شرح حدیث وعلوم حدیث کے لئے موزوں ترین شخصیت تھے۔ پھر ذوق ووجدان اور سرعت حدس بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا تھا، اس لئے یہ شرح بیش بہا جواہراتِ علمی کا خزانہ ہے۔

معارف السنن کی خصوصیات

اس کتاب مستطاب کی خصوصیات کے لئے تو ایک دفتر چاہئے، ہم یہاں اس کی خصوصیات چند عنوانات کے تحت ذکر کرتے ہیں، تاکہ ناظرین اس گنجینۂ عالم وتحقیق سے واقف ہوسکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محدث بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے ذریعہ حدیث، حنفیت اور دین کی عظیم خدمت کی ہے، اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ کتاب امام العصر حضرت انور شاہ کشمیری کے علوم اور تحقیقاتِ نادرہ اور ابحاثِ فائقہ کی شرح اور تفسیر ہے۔

استاذ کامل کے علوم وفنون کو اس کے تلامذہ ہی اجاگر کرتے ہیں اور مشکلات علوم میں اس کی تحقیقات سے شاگرد ہی نقاب کشائی کرتے ہیں، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہزاروں شاگرد تھے جو اس چشمہ

صافی سے سیراب ہوئے، ان میں چند اخص تھے، جنہوں نے علم و تحقیق کے میدان میں قدم رکھا۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں فائق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کو باقی رکھنے کا سامان کیا۔

لیث ابن سعد مشہور راوی حدیث ہیں، مصر کے امام ہیں، ائمہ فن کی رائے میں امام مالک سے زیادہ ان میں تفقہ اور اتقان ہے، لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں زیادہ مشہور نہیں ہوئے اور نہ ان کا فقہی مذہب منضبط ہوا، کیونکہ ان لیثا ضیعه اصحابه یعنی لیث کے اصحاب نے انہیں ضائع کر دیا اور امام دار الہجرۃ مالک ابن انس کے اصحاب و تلامذہ نے ان کے علوم و فنون پر محنت کر کے ان کو زندہ و جاوید بنا دیا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و فنون کی ترجمانی امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے کس محنت و جانفشانی سے کی۔ ان کو ''لسان الحنفیه'' اسی خصوصیت کی بناء پر کہا جاتا ہے۔

راویٔ اسلام حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو زیادہ حدیثیں یاد تھیں اور بقول ابو ہریرہ رضی اللہ وہ حدیث قلمبند بھی کیا کرتے تھے، جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عہد نبوی میں صرف حفظ حدیث پر اکتفا کرتے تھے، لیکن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے آٹھ سو تلامیذ نے ان کی احادیث کو چار دانگ عالم میں مشہور کر دیا۔ ابن عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کی احادیث اس مرتبہ پر نہیں پہنچ سکیں۔ زیادہ تر کتبِ سنن میں ان کی احادیث نے جگہ پائی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کتاب صحاح نہیں بلکہ سنن، جوامع، مسانید، معاجم، اجزاء ہر نوع کی کتب کا سرنامہ بن گئیں۔ کون نہیں جانتا کہ حافظ ابن حجر کے علوم و فنون کو حافظ سخاوی نے کس طرح محفوظ کیا اور اس میں چار چاند لگائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی پاسبانی ان کے فرزندانِ گرامی نے کس طرح کی؟

محقق عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ احسان حلقۂ علماء دیوبند ہمیشہ یاد رکھے گا کہ موصوف نے علماء دیوبند کی تحقیق شرح احادیث کے ذیل میں تحریر کر کے عرب دنیا کو ان تحقیقات علمیہ سے واقف کرایا۔ فتح الملهم کی یہ خصوصیت حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار بیان فرمائی۔ حقیقت یہی ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ کے علوم و تحقیقات کو فتح الملهم میں دیکھا جا سکتا ہے اور اس طرح ان کے علوم محفوظ بھی ہو گئے اور عرب دنیا کے لئے نعمت بے بہا بن گئے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ العالی نے لامع الدراری اور الکوکب الدری کے ذریعہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم محفوظ فرما دیئے۔ اسی طرح حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی ترجمانی اور شرح و تفسیر کا حق ادا کر دیا۔

شرح حدیث

اس ذیل میں ہم صرف وہ توجیہات بیان کرنے پر اکتفا کریں گے جو مولانا نے خود اپنے ذوق سے بہ سلسلہ حلِ حدیث رقم فرمائیں۔

۱- امام ترمذی باب الامامۃ میں حدیث ابی مسعود انصاری لائے ہیں جس کا پہلا جملہ ہے ''یؤمّ القوم اقرأھم''یعنی سب سے زیادہ مستحق امامت اقرأ ہے۔حالانکہ جمہور فقہاء کے نزدیک ''اعلم''مقدم ہے۔

شروحِ حدیث اور کتبِ مذاہب میں اس کی مختلف توجیہات ملتی ہیں۔مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی طرف سے اس کی نئی شرح کرتے ہیں۔اس طرح کہ یہ حدیث جمہور کی دلیل بن جاتی ہے۔جبکہ اس کو امام احمد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور اصحابِ حدیث کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔فرماتے ہیں:

> ''والذی یظهرلی ان یقال: ان غرض الحدیث ''یؤم القوام اقرأهم'' ای اذا کانوا فی العلم سواء. وهذا هوالمذهب عندنا وعندالشافعیة والمالکیة جمیعًا' وقرنته سیاق الحدیث ''فان کانوا فی القرأة سواء فاعلمهم بالسنة'' فیکون فی الجملة الاولی ''ان یؤم اقرأهم'' اذا کانوا فی العلم سواء، وهذا لطیف، فاذن یکون حدیث الباب حجة للجمهور بعد ما کان حجة علیهم''. (۱)

ترجمہ:...''اور مجھے تو یہ سمجھ آتا ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ''اقرأ القوم''اس وقت سب سے زیادہ مستحق امامت ہے' جبکہ سب لوگ علم میں یکساں ہوں۔یہی مذہب جمہور فقہاء احناف، شافعیہ اور مالکیہ کا ہے۔اور اس کا قرینہ سیاق حدیث میں یہ آنا ''فان کانوا فی القرأة سواء فاعلمهم بالسنة ''یعنی ''اگر قرأت میں سب برابر ہوں''تو اعلم زیادہ مستحق امامت ہوگا۔تو اس کے مطابق حدیث کے پہلے جملہ میں یہ ہوگا ''یؤم اقرأهم اذا کانوا فی العلم سواء ''یعنی علم میں برابری کے وقت اقرأالقوم امامت کا زیادہ مستحق ہوگا۔یہ توجیہ لطیف ہے اور اب حدیث باب جمہور کی دلیل ہوجائے گی' جبکہ پہلے (بظاہر) جمہور کے خلاف سمجھی جاتی تھی''۔

۲-ترمذی کے ''باب ماجاء فی کراہیۃ ان یبادر الامام فی الرکوع والسجود'' کے ذیل میں متابعت امام پر سیر حاصل بحث کے بعد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث (مسلم، ابوداؤد) ''فان الامام یسجد قبلکم ویرفع قبلکم فتلک بتلک''پر بحث کی ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ مقارنت نہیں' بلکہ معاقبت ہونی چاہئے، لیکن مولانا ''ایک نئی شرح سے روشناس کراتے ہیں۔''

---

(۱)......معارف السنن ج:۲'ص:۳۲۷باب الامامۃ

"غیرانه ربما یخطر بالبال، ان الصحابة لشدة حرصهم لمشارکته صلی الله علیه وسلم فی رکن وغایة عنایتهم بادائہ بحیث تساوی کمیة العبادة معه صلی الله علیه وسلم، کان من الممکن المسابقة والمبادرة منهم، فنبهم علی ان لایبادروا کیلا یسابقوا، وماکان یختلج قلوبهم من نقصان کمیة عبادتهم عن عبادته، فازاحه، بقولہ "فتلک بتلک" تسلیة لقلوبهم، وان لایکون نصا مسوقاً فی المعاقبة، بل یکون مسوقا لنفی المسابقة". (۱)

ترجمہ:..."میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ارکان صلوٰۃ ادا کرنے کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے، تاکہ ان کی عبادت کمیت و مقدار میں آنحضرت ﷺ کی عبادت کے مساوی ہوجائے تو آنحضرت ﷺ نے انہیں اس مبادرت پر متنبہ کیا، تاکہ کہیں مسابقت کا سبب نہ بن جائے۔ پھر ان کے دلوں میں اپنی عبادت کے بارے میں جس نقصان کا احساس ہوسکتا تھا، اسے یہ فرماکر زائل کردیا کہ "فتلک تبلک" "تواب سیاقِ حدیث، اثباتِ معاقبت کے لئے نہیں، بلکہ نفی مسابقت کے لئے ہے"۔

۳-عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے مسجد بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے مثل گھر بنائے گا۔ شرح حدیث نے مماثلت پر اعتراض کے جواب کے سلسلہ میں مختلف توجیہات نقل کی ہیں، لیکن مولانا کی شرح بے غبار ہے، اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ مولانا فرماتے ہیں:

"والاحسن عندی ان یقال: ان المثلیة فی العمل نفسہ والبناء بالمعنی المصدری، ای: ان الله سبحانه یبنی له بیتًا فی الجنة کما هو بنی لله مسجداً، فکما ان العبد خصص خالقه ببناء بیت لوجهہ، فکذلک الله سبحانه یخصصه ببناء بیت له خاصة". (۲)

ترجمہ:..."میرے نزدیک سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ مماثلت نفسِ عمل اور "بنانے" میں ہے۔ یعنی معنی مصدری میں، مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا، جیسا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنائی۔ یعنی بندے نے اپنے خالق کا گھر خاص اسی کی رضا کے لئے بنایا تو بالکل اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندے کے لئے خاص طور پر گھر بنائے گا"۔

(۱)......معارف السنن ج:۳، ص:۵۸

(۲)......معارف السنن ج:۳، ص:۳۰۳

مولانا نے اس کے بعد اس شرح کی مزید وضاحت فرمائی۔ آخر میں فرماتے ہیں:

”وشیخنا العثمانی صاحب الملهم شرح مسلم لما وقف علی توجیهی هٰذا‘ عجب به جداً‘ وقال انه احسن من کل ماقیل فیه‘ واظهر‘ قال: ومن العجیب انهم کیف ترکوا هذا التوجیه الظاهر وذهبوا الیٰ توجیهات بعیدة“.

ترجمہ:...”صاحب فتح الملہم ہمارے شیخ عثمانی میری اس توجیہ سے جب واقف ہوئے تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ: اس سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ ان سب سے بہتر توجیہ ہے‘ اور یہ بھی فرمایا کہ: تعجب ہے کہ شارحین نے اس توجیہ کو چھوڑ کر دوسری بعید توجیہات اختیار کیں“۔

۴- حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: میری اس مسجد میں نماز‘ دوسری مساجد میں نماز سے ہزار درجہ زیادہ ہے۔ (ترمذی)

”**مسجدی هذا**“ میں اسم اشارہ ہے‘ جس سے بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ مذکورہ بالا اجر وثواب اب صرف اسی بقعہ مبارکہ کے ساتھ خاص ہے جو رسول اکرم ﷺ کے زمانہ خیر میں تعمیر تھا‘ مسجد نبوی کی توسیع ہر زمانہ میں ہوتی رہی۔ اس لئے توسیع شدہ حصے اس میں داخل نہیں‘ اگرچہ جمہور کا یہ مذہب نہیں ہے‘ بعض شراح یہاں پر ایک قاعدہ اصولی سے بحث کرتے ہیں کہ مسمّٰی اور مشار الیہ جب جمع ہو جائیں تو ان میں سے اعتبار کس کا ہوگا۔ محدث بنوری رحمۃ اللہ علیہ ان ابحاث کو سمیٹتے ہوئے اشارہ لانے کی وجہ بیان کرتے ہیں اور اس سے تخصیص کا جو شبہ ہوتا ہے‘ وہ دور ہو جاتا ہے:

”قال الراقم: والاولیٰ ان یقال انما اشار الی مسجده بکلمة هذا‘ دفعًا لتوهم دخول سائر المساجد المنسوبة الیه بالمدینة غیر هذا المسجد لا لاخراج ماسیزادفیه“. (۱)

ترجمہ:...”سب سے بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اسم اشارہ لانے کی وجہ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں آپ کی طرف جو دوسری مساجد منسوب تھیں‘ ان کو اس حکم سے نکالنے کے لئے ہے۔ مسجد نبوی کی آئندہ آنے والے زمانہ میں توسیع کو خارج کرنے کے لئے نہیں“۔

۵- حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث کے یہ لفظ ہیں۔ ”**ولا یؤم قوما فیخص نفسه بدعوة دونهم فان فعل فقد خانهم**“ جس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی امام نماز میں صرف اپنے لئے دعا نہ کرے۔ اگر اس نے ایسا کیا تو خیانت کا مرتکب ہوا۔ حدیث مندرجہ بالا شراح حدیث کے لئے بہت مشکل واقع ہوئی ہے کیونکہ نماز

(۱)......معارف السنن‘ ج:۳‘ ص:۳۲۷

کی بعض ماثور دعائیں بصیغہ افراد واقع ہوئی ہیں ۔ یہاں تک کہ ابن خزیمہ نے اس حدیث کو موضوع تک کہہ دیا۔ دوسرے حضرات نے کچھ توجیہات کی ہیں ۔لیکن ان سے اطمینان نہیں ہوتا۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ فاضلانہ اور عمدہ توجیہ کرتے ہیں اور اپنے شیخ کی کسی یادداشت کو سامنے رکھ کر اشکال کا جواب دیتے ہیں:

''اس سے دعا کا صیغہ مراد نہیں ہے کہ جمع متکلم کا صیغہ لائے ، واحد متکلم نہیں لائے' بلکہ مطلب یہ ہے کہ امام پر نماز کی حالت میں کیفیت دعا طاری ہوجائے اور وہ دعا پر مجبور ہوجائے تو اس حالت میں صرف اپنے لئے دعا نہ کرے' بلکہ سب مقتدیوں کے لئے یہی دعا کرے' کیونکہ یہ کیفیتِ دعا امام پر طاری ہوتی ہے' مقتدیوں پر نہیں' تاکہ وہ بھی دعا کرلیتے 'لھذا التخصیص سے مرد ''اختصاص بوجود الدعاء'' ہے نہ کہ ''تخصیص بصیغة الدعاء''۔ (۱)

شرحِ حدیث کے سلسلے میں یہ چند نوادرات تھے جو ہم پیش کرسکے۔ ان کے علاوہ پوری کتاب میں اس کی صدہا مثالیں ملتی ہیں۔

رجالِ حدیث

محققانہ شرحِ حدیث کے لئے رجال ورواۃ اور ان کی جرح وتعدیل سے واقفیت وآگہی ضروری ہے' جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے۔ محدث بنوری رحمۃ اللہ علیہ رجال ورواۃ سے واقف ہی نہیں' بلکہ اس سلسلہ میں ان کے یہاں فاضلانہ اور محققانہ ابحاث ملتی ہیں۔

۱- عبدالکریم بن ابی المخارق ایک راوی ہیں، جن کے متعلق ائمہ جرح وتعدیل کا فیصلہ ضعف کا ہے۔ امام دارالہجرۃ مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے ان سے مؤطا میں روایت نقل کی ہے۔ حالانکہ امام کے متعلق طے شدہ اصول ہے کہ وہ کسی ضعیف سے حدیث روایت نہیں کرتے' بلکہ مؤطا مالک کی بزم رواۃ میں کسی راوی کی شرکت توثیق کی دلیل ہے۔ حافظ المغرب ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا ہے۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس جواب کو نقل کرنے کے بعد علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہیں:

''ومن العجیب ان السیوطی لم یذکرہ فی رجال ''الموطا'' وانما ذکر عبدالکریم بن مالک الجزری' فقط' فلعلہ قصور منہ اوظنہ الجزری' وروایة مالک عنہ ثابت قطعاً' کما ذکرہ ابن حجر فی التھذیب''۔ (۲)

---

(۱)......معارف السنن' ج:۳' ص:۴۰۹۔

(۲)......معارف السنن' ج:۱' ص:۱۰۴

ترجمہ:...''تعجب ہے کہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو رجال مؤطا میں ذکر نہیں کیا۔صرف عبدالکریم بن مالک الجزری کو ذکر کیا ہے یا تو یہ ان کا قصور ہے یا وہ اس کو جزری سمجھ بیٹھے ہیں۔حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کے بموجب امام مالک کی اس سے روایت قطعاً ثابت ہے''۔

۲-اشعث بن عبداللہ جس کو اشعث اعمیٰ بھی کہا جاتا ہے ان کو اشعث وحدانی بھی کہا گیا۔عام طور پر یہی سمجھا گیا ہے کہ یہ ایک ہی شخص ہے، جس کو مختلف الفاظ سے ذکر کیا جاتا ہے۔امام ترمذیؒ بھی ان کو ایک ہی شخص سمجھ رہے ہیں۔جامع ترمذی کے شراح خاموش ہیں، لیکن محقق بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تحقیق کرتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں:

''فهذا يدلنا على ان اشعت الاعمٰى غير ابن عبدالله' وهذا ثقة' وذاك ضعيف' فاختلف قول الترمذى وقول البزار' فليحقق' ولعل ابن حجر من اجل هذا لم يذكر ابن عبدالله الحذانى بوصف الاعمٰى فى التقريب وان كان ذكره فى التهذيب''. (۱)

ترجمہ:...''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشعث اعمیٰ اور اشعث بن عبداللہ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں جن میں سے پہلا ثقہ اور دوسرا ضعیف ہے تو اب ترمذی اور بزار کا قول مختلف ہوگیا' اس کی مزید تحقیق کرلی جائے۔ شاید اسی وجہ سے حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب تقریب میں ابن عبداللہ الحذانی کو اعمیٰ کے وصف کے ساتھ ذکر نہیں کیا' اگرچہ تہذیب میں کیا ہے''۔

۳-سمک طافی کی حلت وحرمت کی بحث فنِ حدیث کے لحاظ سے خوب ہے۔مولانا نے اس میں خوب جوہر دکھائے ہیں' دیکھئے رجال کے سلسلہ میں نہ ابوبکر بیہقی سے متاثر ہیں اور نہ ابن جوزی سے مرعوب، اپنی تحقیق پر پورا پورا اعتماد ہے۔درمیان بحث میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

''عن جابر رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ماعلق البحر اوجزر عنه، فكلوه' ومامات فيه وطفٰى فلاتاكلوه'' [الحديث]

اس حدیث کو بیہقی نے یحییٰ بن سلیم الطائفی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے' جو صحیح نہیں، کیونکہ مذکورہ بالا راوی ثقہ اور حجۃ ہے۔بخاری ومسلم میں اس کی حدیث نکالی ہے۔اس طرح ابن جوزی نے اس حدیث کو اسمٰعیل بن امیہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے' یہ وہم ہے' کیونکہ وہ اس کو ابوالصلت سمجھے ہیں اور یہ ابن امیہ قرشی اموی ہے۔(معارف السنن' ج:۱'ص:۲۶۰)

(۱)......معارف السنن' ج:۱'ص:۱۰۴

ہم نے جلد اول سے رجال کی صرف تین مثالیں دی ہیں۔ رجال کی ابحاث کے لئے دیکھئے جلد اول کے صفحات: ۲۹۹، ۳۰۷، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۲۱، ۳۳۰، ۳۶۵ اور جلد ثانی کے صفحات: ۴۳، ۸۰، ۳۱۹ اور جلد ثالث کے صفحات: ۶۵، ۴۷، ۳۱۵، ۳۷۲، ۳۸۵، ۴۲۶ اور جلد رابع کے صفحات: ۴۷، ۸، ۷۷، ۳۸۶ پانچویں جلد کے صفحات: ۱۷، ۹، ۷۷، ۹۷، ۱۸۲، ۱۶۷

طرق وعلل ومتابعات پر نظر

"باب ماجآء اذااقیمت الصلوٰۃ ووجد احدکم الخلاء فلیبدأ بالخلآء" اس کے ذیل میں امام ترمذی عبداللہ بن ارقمؓ کی حدیث لائے ہیں' اس حدیث میں فنی طور پر یہ بحث اٹھائی گئی ہے کہ عروۃ بن الزبیر نے یہ حدیث عبداللہ بن ارقمؓ سے بلاواسطہ سنی ہے یا بالواسطہ؟ امام ترمذی کی رائے بلاواسطہ سماع کی ہے۔ مولانا مرحوم امام ترمذی کے اس قول کی تائید کرتے ہیں اور عروہ سے بلاواسطہ نقل کرنے اور ابومعاویہ محمد بن خازم کی متابعت کرنے والوں کے نام اور اس کے طرق جمع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:

"وجملة من رواه عن هشام عن عروة عن عبدالله ابومعاويه محمد ابن حازم ومالک ويحيٰى بن سعيد القطان وسفيان بن عيينة وزهير ابن معاوية وحفص بن غياث ومحمد ابن اسحاق و شجاع بن الوليد وحماد ابن زيد ووكيع ومفضل بن فضالة و محمد بن كنانه كما حكاه الزرقانی عن ابن عبدالبر (جلد ۱ صفحه ۲۸۸) فهؤلآء كلهم لم يدخلوا بين عروة وبين عبدالله بن ارقم رجلاً ويؤيده رواية عبدالرزاق (كماحكاه الزرقانی) عن ايوب بن موسٰى عن هشام ابن عروة عن ابيه قال خرجنا فی حج اوعمرةٍ مع عبدالله بن ارقمؓ فاقام الصلوة ثم قال صلوا' وذهب لحاجته فلما رجع قال: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الخ فهذا صريح فی ان عروة سمعه من عبدالله نفسه بغيرواسطة' فالرواية متصله: لامنقطعة كما اوهمه رواية وهيب وشعيب وابوضمرة (۱)

ترجمہ:... "وہ حضرات جو اس روایت کو ہشام عن عروۃ عن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں' ابومعاویہ محمد بن حازم، مالک، یحیٰی بن سعید القطان، سفیان بن عیینہ، زہیر بن معاویہ، حفص بن غیاث، محمد بن اسحٰق، شجاع بن الولید، حماد بن زید، وکیع، مفضل بن فضالۃ، محمد بن کنانہ ہیں۔ جیسا کہ امام زرقانی نے ابن عبدالبر (ج۱ص ۲۸۸) سے نقل کیا

(۱)......معارف السنن، ج:۱، ص:۴۷۳

ہے۔ان تمام حضرات نے عروہ اور عبداللہ بن ارقمؓ کے درمیان کسی آدمی کا واسطہ ذکر نہیں کیا ہے‘اس کی تائید روایۃ عبدالرزاق (جس کو امام زرقانی نے نقل کیا ہے) عن ایوب بن موسیٰ عن ہشام بن عروہ عن ابیہ سے ہوتی ہے۔ عروہ فرماتے ہیں کہ ہم حج یا عمرہ کے لئے عبداللہ بن ارقمؓ کے ساتھ نکلے‘اس نے نماز کھڑی کرنے کا حکم دیا تو فرمایا: کہ تم نماز پڑھو اور خود قضاء حاجت کے لئے چلے گئے‘جب واپس آئے تو فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے الخ۔اس روایت میں صراحت ہے کہ عروہ نے حدیث مذکورہ عبداللہ بن ارقمؓ سے بغیر واسطہ سنی ہے۔لہذا یہ روایت متصل ہے نہ کہ منقطع‘ جیسا کہ وہیب وشعیب اور ابوضمرہ کی روایت سے وہم ہوتا ہے“۔

امام ترمذی ”باب فی المنی یصیب الثوب“ کے ذیل میں بطریق اعمش حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث لائے ہیں۔اس کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اعمش کی روایت کے متابعات ذکر کئے ہیں۔متابعات روایۃ اعمش ذکر کرنے کے بعد امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابومعشر نے بھی اس حدیث کو عن ابراہیم عن اسود عن عائشہؓ روایت کیا ہے‘ لیکن طریق اعمش اصح ہے۔امام ترمذی کے اس قول پر ترمذی کے شراح میں سے کسی نے کوئی کلام نہیں کیا۔تحفۃ الاحوذی لعبدالرحمٰن المبارکپوری اس سلسلہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ابن سیدالناس الیعمری کی شرح الترمذی میں بھی اس مقام پر کچھ نہیں ہے۔راقم نے تین چار سال پہلے مولانا عبداللطیف علی گڑھی کی شرح ترمذی قلمی دیکھی تھی۔یہ شرح ابن سیدالناس الیعمری کی شرح کا خلاصہ ہے‘ کیونکہ مولانا موصوف نے ایک شخص کے ذریعہ پیر جھنڈے سعید آباد سے اس شرح کو نقل کرکے منگوایا تھا۔راقم نے اس مقام کو خصوصیت سے دیکھا‘ لیکن اس میں کچھ نہیں پایا۔اصل میں اگر نہ ہوتا تو خلاصہ میں ضرور نقل کیا جاتا‘ مگر محدث البنوری رحمۃ اللہ علیہ اس مقام کی علت اور مغز کو خوب جانتے ہیں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ترمذی ابومعشر کی حدیث کو کیوں مرجوح قرار دے رہے ہیں۔مولانا کی بحث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ مولانا کی طرقِ حدیث اور علل پر گہری نگاہ ہے‘ چنانچہ مولانا نے اس سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے اس کی تلخیص یہ ہے:

”میں یہ سمجھتا ہوں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ابومعشر کی روایت پر اعتراض کررہے ہیں، حالانکہ ابومعشر کی روایت اعتراض سے پاک ہے۔البتہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے خلاف ہے۔مسلم میں ابومعشر کی حدیث کے الفاظ صراحۃً غسل پر دلالت کرتے ہیں اور یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ ابومعشر کی روایت کو بلاوجہ مرجوع قرار دے دیا جائے، کیونکہ ابومعشر حفاظ متقنین میں سے ہے۔تہذیب میں ابن حبان سے یہی منقول ہے۔اس لئے ابومعشر کی حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔پھر امام ترمذی کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ اعمش کی حدیث ابومعشر کی حدیث کے مقابلہ میں اصح ہے۔پھر اس کے ساتھ یہ بھی اضافہ کریں کہ ابومعشر ابراہیم سے نقل کرنے میں منفرد بھی نہیں‘ بلکہ منصور، مغیرہ واصل الاحدب مسلم میں اور حماد بن سلیمان ابوداؤد میں ان کے متابع

ہیں۔ علاوہ ازیں طرق روایات پر نظر ڈالنے سے یہ واضح ہوا ہے کہ اس موقع پر دو واقعے ملتے جلتے ہیں۔ ایک تو واقعہ ہمام بن الحارث کا ہے، جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔ دوسرا واقعہ ابن شہاب الخولانی کا ہے۔ کما ہوفی روایۃ مسلم' اس لئے جب دو واقعے ہوگئے تو ایک واقعہ کی روایت کو اصح کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔ لہذا میرے نزدیک ابومعشر کی روایت میں سند اور متن کے لحاظ سے کوئی اعتراض نہیں۔''

بحث کے خاتمہ پر فرماتے ہیں:

''وان ذهبنا الى استقراء الطرق يمكن ان نجد مؤيدات اخرىٰ غيرها فيما ذكرنا مقنع وكفاية''.[1]

ترجمہ:... ''اگر ہم طرق جمع کرنا شروع کریں تو ممکن ہے کہ ہم اس کے علاوہ دیگر مؤیدات بھی پالیں جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے' یہ کافی وشافی ہے''۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی راویت ہے کہ: میں تم میں سب سے زیادہ عِشاء کی نماز کا وقت (متعین طور پر) جاننے والا ہوں۔ رسول اکرم ﷺ عشاء کی نماز کا وقت رات کے چاند کے غروب کے وقت پڑھا کرتے تھے۔ اس حدیث پر مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے سیر حاصل بحث کی ہے۔

حدیث مندرجہ بالا کی اسناد میں اختلاف ہے۔ ابوعوانہ ابو بشر کے بعد بشیر بن ثابت کا واسطہ لا رہے ہیں' جبکہ ہشیم ابوبشر سے بلا واسطہ بشیر بن ثابت حبیب بن سالم سے روایت کررہے ہیں۔ اس فنی ااختلاف کا فیصلہ امام ترمذی اس طرح کرتے ہیں کہ ابوعوانہ کی راویت کو بوجہ متابعت شعبہ ترجیح دے رہے ہیں۔ امام ترمذی فرماتے ہیں:

''ہمارے نزدیک ابوعوانہ کی روایت اصح ہے' کیونکہ یزید بن ہارون شعبہ عن ابن بشر ابوعوانہ کے مطابق روایت کرتے ہیں۔''

محدث بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں جو تحقیق سپرد قلم فرمائی ہے' وہ مولانا کی حدیث دانی، فنی مہارت، علل وطرق سے واقفیت کی آئینہ دار ہے۔ بحث کے آخر میں فرماتے ہیں:

''مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ابوعوانہ کی روایت کی ترجیح بوجہ متابعت شعبہ ہے۔

راقم کہتا ہے کہ اگر ترجیح کا مدار متابعتِ شعبہ ہے تو یہ اس طریق کی خصوصیت نہیں ہے' کیونکہ رقبہ بن مصقلہ نسائی اور حاکم کی روایت میں ہشیم کا متابع ہے اور حاکم نے اس کو اسناد صحیح کہا ہے۔ غرض ہشیم منفرد نہیں ہے بلکہ ایک ثقہ کی متابعت اس کو حاصل ہے' بلکہ حاکم ہشیم کے طریق کو ابوعوانہ کے طریق پر ترجیح دے رہے ہیں

(۱)...... معارف السنن' ج:۱' ص:۳۹۰

اور اب فیصلہ کن امر یہ ہے کہ یا تو سند میں اضطراب کا قول اختیار کیا جائے، جیسا کہ صاحب الجوہر النقی کی رائے ہے یا یہ کہا جائے کہ دونوں اسناد صحیح ہیں۔ ابوبشر نے حبیب سے بالواسطہ یا بلاواسطہ دونوں طرح سماع کیا اور اس میں کوئی امر مانع نہیں، کیونکہ واسطہ ثابت کرنے والے، اسی طرح واسطہ کی نفی کرنے والے ثقہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لئے متابعت ثابت ہے۔ اسی وجہ سے ترجیح میں رائے مختلف ہوگئی۔ ترمذی نے ابوعوانہ کی روایت کو اور ابوعبداللہ حاکم نے ہشیم کی روایت کو ترجیح دی''۔ (۱)

طرق و علل و متابعات کی مزید ابحاث کے لئے دیکھئے۔ جلد اول، صفحات: ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۵۳، ۲۱۶، جلد ثانی، صفحات: ۱۵۶، ۱۹۸، ۲۳۵، ۲۴۷، ۲۷۹، ۳۵۹، جلد ثالث، صفحات: ۹۳، ۵۳۶، ۲۸، ۴۵، ۲۸۷، ۳۱۱، ۴۷۶، ۵۰۲، ۵۲۰، ۵۲۴، ۵۲۹، جلد رابع، صفحات: ۳۱۰، ۳۸۷، جلد خامس، صفحات: ۱۰۶، ۱۳۳

حنفیت اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

ہم نے لکھا ہے کہ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے ذریعہ حنفیت کی بے بہا خدمت کی ہے اور مسائلِ خلافیہ میں حنفیہ کے موقف کو روایت و درایت کی پوری قوت سے ثابت کیا ہے۔ اس سلسلہ میں چند نمونے پیش ہیں:

۱- مسئلہ تیمّم: معرکۃ الآراء مسئلہ ہے۔ امام احمد اور جمہور محدثین ایک طرف ہیں۔ امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ دوسری جانب۔ احادیثِ صحاح جمہور محدثین کی مؤید ہیں۔ احادیثِ حسان اور قیاس فقہاء کے ساتھ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بھی احادیثِ صحاح سے متاثر ہیں اور تقریباً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ سب سے پہلے حافظ پر شدید تعقبات کرتے ہیں اور ان کے کلام کا فاضلانہ رد کرتے ہیں اور فقہاء کے مسلک کو روایت و درایت سے ثابت کرتے ہیں اور حدیثِ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جو بقول محدثین اصح مافی الباب ہے، اس میں اضطراب ثابت کر کے دوسری روایات کو ترجیح دیتے ہیں۔

عمار کے دو واقعے ہیں۔ اس کی فاضلانہ تحلیل کرتے ہیں اور مسئلہ منقح ہو جاتا ہے اور فقہاء کبار کا مسلک روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ (۲)

---

(۱)...... معارف السنن، ج:۲، ص:۷۶

(۲)...... مسئلہ تیمّم معارف السنن، ج:۱، ص:۳۳۹

۲-مسئلہ آخر وقت ظہر: یہ مسئلہ بھی معرکۃ الآراء ہے۔ حدیثِ جبریل بظاہر حجازیین کی مؤید ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں مختلف روایات ہیں۔ اس میں جمع وتطبیق اور مسلکِ امام کی ترجیح اور اپنے شیخ کی تحقیق کی روشنی میں فاضلانہ بحث اس کتاب کی خصائص میں سے ہے۔

۳-مسئلۃ التامین: مشہور مسئلہ ہے۔ سفیان وشعبہ کی روایتوں کا اختلاف، طریق شعبہ پر محدثین کے اعتراضات اور اس کے مسکت جوابات اور ترجیح روایت شعبہ پر دونوں روایتوں کو جمع ''تذئیل'' کے عنوان سے اپنے شیخ کے کلام کی شرح وتلخیص، جہر للتعلیم کے نظائر مدّ اور خفض کو جمع کرنا قابل ملاحظہ ہے۔ (۱)

۴-مسئلہ رفع یدین: مشہور اختلافی مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ میں سب سے اہم حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے جس کو علی بن المدینی شیخ البخاری ''حجة الله علی الخلق'' کہہ رہے ہیں۔ اس حدیث کے متعلق مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ امام العصر نے اضطراب فی المتن کی طرف اشارات کئے تھے اور یہ بتلایا تھا کہ یہ روایت مختلف وجوہ سے روایت کی گئی ہے، جن میں سے ایک طریق میں ترکِ رفع ہے اور یہ طریق مدونۃ الکبریٰ میں ہے۔ مولانا نے اس حدیث کی وجوہِ مختلفہ کو محنت اور جانفشانی سے جمع کیا اور شیخ کے مقصد کو واضح کیا۔ صاحبِ فیض الباری یہاں شیخ کے مقصد کو سمجھ نہ سکے اور اس مقام کو حل نہ کر سکے۔ (۲)

اسی طرح اس سلسلہ میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث جو حنفیہ کی مؤید ہے، اور جس کو عام طور پر محدثین ضعیف قرار دیتے ہیں، مولانا نے اس پر فاضلانہ بحث کر کے اس کی تقویت کی ہے۔ سفیان بن عیینہ پر تلقین کے اعتراض کو ایک تاریخی بحث کے زیر عنوان عمدہ طریقہ سے رد کیا ہے۔

۵-قرأت فاتحہ خلف الامام: معرکۃ الآراء مسئلہ ہے' مولانا کے قلم نے اس میں خوب جوہر دکھائے ہیں۔ اس میں فصاعداً کی بحث کو مطولاً ومختصراً جس طرح بیان کیا ہے' وہ مولانا ہی کا حصہ ہے۔ اپنے شیخ کے مقصد کو جس طرح حل کیا ہے' دیدنی ہے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے التعلیق الصبیح میں بھی اس کو حل کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن حل نہیں کر سکے۔

قال الزهری فانتهی الناس عن القراءة فیما جهر به رسول الله صلی الله علیه وسلم کے سلسلہ میں جو بحث کی ہے' قابل داد ہے۔ ثابت کیا ہے کہ یہ صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ امام زہری کا قول نہیں ہے اور معمر بن راشد بن کیسان جو اثبت الناس فی الزهری ہیں کے متعلق نظائر جمع کئے ہیں کہ زہری صاحب جب حلقۂ درس واملاء حدیث میں حدیث بیان کرتے تھے اور

(۱)...... معارف السنن، ج:۲، ص:۴۰۰

(۲)...... معارف السنن، ج:۲، ص:۴۷۵۔

بعض تلامذہ اس کو کثرتِ اژدہام کی وجہ سے سن نہیں سکتے تھے تو وہ معمر سے پوچھتے تھے اور معمر کہتے تھے: قال الزہری الخ اس طرح تحقیق و بحث کا حق ادا کردیا ہے، یہ چند نمونے ہیں جو عجلت میں پیش کیے جاسکے۔

راقم نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی معارف السنن پر تفصیلی لکھنے اور اس کے جواہر ریزے جمع کرنے اور ناظرین کو دکھانے کا ارادہ کیا تھا، لیکن اول تو مضمون طویل ہوگیا۔ دوئم بینات کا خصوصی نمبر کتابت کے مراحل طے کرچکا ہے۔ مجھ سے تقاضا ہے کہ میں مضمون ختم کردوں۔ میں نے معارف السنن کے فوائد کی ایک تفصیلی فہرست تیار کی تھی۔ آخر میں اس کا حصہ ہدیۂ ناظرین ہے، تاکہ تحقیقی کام کرنے والے اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔

فاضلانہ ابحاث

جلد اول: صفحات: ۱۸۶، ۲۱۰، ۲۱۹، ۲۳۸، ۲۴۲، ۲۴۹، ۳۱۵، ۳۳۹۔

جلد ثانی: صفحات: ۹، ۱۱۰، ۱۲۴، ۲۳۳، ۲۵۱، ۲۶۰، ۲۷۲، ۲۸۱، ۳۲۷، ۳۹۵۔

جلد ثالث: صفحات: ۱۵۲، ۳۲۴، ۵۱۱۔

جلد رابع: صفحات: ۲۷۸، ۲۹۵۔

جلد خامس: صفحات: ۶، ۸، ۲۲، ۲۳، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۲، ۱۶۹، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۲، ۲۲۴، ۳۲۹، ۲۴۱، ۲۴۷۔

جلد سادس: صفحات: ۲۳، ۱۱۶، ۱۴۹، ۲۲۵، ۲۲۷، ۳۲۲، ۴۲۷، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۷، ۴۶۴، ۵۴۹، ۵۷۹، ۵۸۴، ۶۰۵، ۶۲۸، ۶۳۰، ۶۳۱۔

اصول حدیث

جلد اول: صفحات: ۷، ۲۸، ۴۴، ۴۵، ۵۰، ۵۷، ۷۷، ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۵۷، ۲۰۴، ۲۴۰، ۳۲۲، ۳۵۰۔

جلد ثانی: صفحات: ۲۰۹، ۲۲۹۔

جلد ثالث: ص: ۵۳۴۔

اصول فقہ

جلد اول: صفحات: ۳۱، ۵۵، ۵۶، ۵۹، ۶۱، ۷۰، ۷۳، ۱۱۹، ۱۵۸، ۲۱۰، ۲۹۰، ۳۵۰۔

جلد ثانی: صفحات: ۴۶، ۷۹، ۱۲۰، ۱۳۰، ۲۲۵، ۲۵۲، ۳۷۱۔

جلد ثالث: صفحات: ۱۳۴، ۳۷۲۔

جلد رابع: ص: ۳۹۹۔

جلد خامس: ص: ۳۱۵۔

فقہ

جلد اول: صفحات: ۱۵۳، ۱۶۰، ۲۱۹، ۳۳۴، ۴۹۷۔

جلد ثانی: صفحات: ۳۸، ۵۴، ۲۴۳، ۳۳۴، ۳۵۲

جلد ثالث: صفحات: ۱۱، ۷۹، ۳۰۰، ۳۱۱، ۳۱۴، ۴۳۴۔

جلد رابع: صفحات: ۲۲، ۴۰۳۔

صرف ونحو

جلد اول: صفحات: ۳۰، ۲۴، ۵، ۴۸، ۷۷، ۸۳، ۹۰، ۱۳۴، ۱۵۵، ۱۹۳۔

جلد ثانی: صفحات: ۱۱۵، ۳۵۵۔

بلاغت کے مسائل

جلد اول: صفحات: ۵۱، ۵۲، ۱۱۲، ۲۸۱۔

جلد ثالث: ص: ۳۱۸۔

بعض افاضل کا رد

جلد اول: صفحات: ۱۸۹، ۱۹۸، ۲۳۱، ۲۴۵، ۲۵۳، ۳۳۰، ۴۲۳، ۴۶۵، ۴۷۹، ۵۰۶۔

جلد ثانی: صفحات: ۹، ۲۸، ۸۲، ۱۴۴، ۱۹۳، ۳۱۳، ۳۴۵، ۳۸۷۔

جلد ثالث: صفحات: ۶۴، ۸۰، ۱۰۸۔

جلد رابع: صفحات: ۱۸، ۳۶۷، ۳۸۸۔

حافظ ابن حجر سے اختلاف جلد خامس: صفحات: ۴۲، ۸۶، ۱۰۱۔

ابن المنذر سے اختلاف جلد خامس: ص: ۱۱۸۔

صاحب تحفۃ الاحوذی کا رد

جلد اول: صفحات: ۱۰، ۱۱، ۲۷، ۱۰۶، ۱۲۸، ۲۵۹، ۲۶۱، ۳۲۶، ۴۹۱، ۴۸۲۔

جلد ثانی: صفحات: ۴۵، ۶۳، ۷۳، ۱۹۴، ۲۹۰۔

جلد ثالث صاحبِ تحفہ کا شدید رد: ص: ۷۷۔

صاحب تحفہ کی جہالت جلد رابع: صفحات: ۴۷، ۹۸۔

صاحب تحفہ پر قوت سے استدلال جلد خامس: ص: ۱۲۷۔

قوت فیصلہ ومحاکمہ

جلد اول: صفحات: ۳۰، ۱۳۷، ۱۷۶، ۳۱۸۔

جلد ثانی: صفحات: ۳۰، ۷۶، ۹۴، ۱۰۰، ۱۰۴، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۶۰، ۱۷۲، ۳۲۱، ۲۵۷، ۳۰۲۔

جلد ثالث: صفحات: ۵۲، ۳۶۶۔

جلد رابع: صفحات: ۵۳، ۵۸۔

علم کلام

جلد اول: صفحات: ۴۰، ۴۱، ۱۴۱۔

جلد ثانی: ص: ۲۹۳۔

جلد رابع: ص: ۱۳۵۔

بعض فوائد

جلد اول: صفحات: ۳۳، ۳۷، ۲۱۷، ۴۹۳۔

جلد ثانی: صفحات: ۱۱۸، ۱۳۵، ۲۴۲، ۲۷۴، ۲۸۴، ۲۹۸، ۳۰۲، ۳۵۷۔

جلد ثالث: صفحات: ۱۶۹، ۲۹۷۔

جلد رابع: صفحات: ۷۹، ۲۸۰، ۳۱۰، ۳۲۱، ۳۳۷، ۳۷۸، ۳۳۹۔

جلد خامس: ص: ۱۲۵۔

اصول ائمہ اربعہ

جلد اول: ص: ۱۰۲۔

قواعد کلیہ احادیث کے متعلق

جلد ثالث: صفحات: ۳۲، ۶۵۔

جلد رابع: صفحات: ۲۶، ۴۶، ۱۱۴۔

جلد خامس: ص: ۱۱۰

اس آخری حوالہ کی صراحت ضروری ہے۔ کیونکہ حدیث کے طالب علم کے لئے اس قسم کے قواعد کا استحضار ضروری ہے اور اس سے حدیث فہمی اور اختلافِ ائمہ کے سلسلہ میں رہنمائی ملتی ہے۔ حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں ''اقتداء المفترض خلف المتنفل'' کا مسئلہ ایک نئے انداز میں سمجھاتے ہیں اور طویل بحث کے دوران ایک جگہ فرماتے ہیں:

''جن حضرات کے یہاں مفترض کی اقتداء متنفل کے پیچھے جائز ہے، وہ جابرؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور ان کے نزدیک یہ حدیث اس مسئلہ میں اصل ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ دوسری احادیث سے جن کی حیثیت قواعد اساسیہ کی ہے، معارضہ کرتے ہیں۔ مثلاً الامام ضامن یعنی امام مقتدی کا کفیل ہے، یا امام کی نماز مقتدی کی نماز کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے، یا مثلاً: یہ حدیث: انما جعل الامام لیؤتم بہ یا مثلاً ارشاد ہے: فلا تختلفوا، تم امام سے اختلاف مت کرو۔ اس قسم کی احادیث اصول وقواعد کلیہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ اگر چہ عام ہیں۔ جابرؓ کی حدیث اگر چہ خاص ہے، تاہم ایک جزئی واقعہ یا حکایتِ حال ہے جس میں عموم نہیں۔''

اس قسم کے اصول وقواعد اس کتاب میں آپ کو جابجا ملیں گے۔

تحقیق لغت: صفحات، جلد اول: ۱۸۵، ۳۴۲، جلد ثانی ۲۵، جلد رابع ۹۲

بہترین ترتیب وتلخیص کے نمونے

جلد اول: ص: ۲۷۳۔

جلد ثانی: صفحات: ۶۷، ۷۸، ۲۸۸، ۴۴۵۔

جلد ثالث: صفحات: ۴، ۳۲، ۴۷۔

جلد خامس: صفحات: ۱۰۹، ۱۱۲۔

شیخ کی صحیح مسلم کی بعض احادیث کے متعلق ایک اہم رائے

رکعتین بعدالعصر کی بحث کے ذیل میں بہت سے اصولی مسائل اٹھائے ہیں۔ اسی سلسلہ میں شیخ کی ایک مفید بات تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارے شیخ محمد انور رحمۃ اللہ علیہ یہ سمجھتے تھے کہ امام مسلم حدیث حسن لذاتہ کی بھی اپنی کتاب صحیح میں تخریج کرتے ہیں، باوجودیکہ ان کے یہاں صحت کا التزام ہے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ بات صحیح مسلم کے استقراء سے معلوم کی ہے۔''(۱)

---

(۱)......معارف السنن، ج:۲، ص: ۱۳۵۔

شیخ کی تمنا

حدیث ’’صلوٰۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ‘‘ کے بارے میں طویل تحقیق کے سلسلہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

’’شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں مجھے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی روایت خواہ شاذ ہی کیوں نہ ہوتی، ایسی مل جاتی جس طرح کہ صاحبین کی رائے ہے، میری یہ آرزو ہے۔

راقم کہتا ہے کہ شرح مہذب (ج:۴، ص:۵۶) میں ہے۔ اوزاعی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رات کی نماز مثنیٰ مثنیٰ ہے اور دن کی نماز اگر چاہے تو چار پڑھے اور اگر چاہے تو دو پڑھے۔ غرض امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت موجود ہے۔ اگرچہ ہماری کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں ہے اور نووی نے ابن المنذر سے اسے نقل کیا ہے۔ اخلافیات میں ابن المنذر کا علم ناقابل انکار ہے۔ الحمدللہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تمنا پوری ہوگئی۔‘‘(۱)

ابن حجر پر اضافہ: جلد اول: ص:۳۲۹

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عشق

جلد ثالث: ص:۳۳۳۔

جلد رابع، صفحات:۲۹۳،۲۹۵۔

حضرت امام العصر محمد انور شاہ اور حضرت شیخ الہندؒ: جلد خامس: ص:۱۹۔

بدعات کا رَد

جلد اول: ص:۲۶۵۔

جلد ثانی: صفحات:۲۱۲،۳۳۹۔

جلد ثالث: ص:۴۰۹۔

جلد رابع: ص:۱۵۵۔

بعض جدید مسائل

جلد ثانی: ص:۵۳۔

جلد ثالث: ص:۳۹۶۔

---

(۱)......معارف السنن، ج:۴، ص:۱۲۱

جلد خامس: ص: ۳۲۔

جلد سادس: صفحات: ۱۶، ۱۷، ۲۳۔

فی الباب کے متعلق: جلد اول: ص: ۳۵

علامہ زاہد الکوثری سے استفادہ

جلد اول: صفحات: ۱۷، ۲۰۷۔

جلد ثانی: صفحات: ۱۱۸، ۲۳۰، ۳۶۵۔

جلد ثالث: صفحات: ۱۴۲، ۲۶۱، ۲۶۷۔

جلد رابع: ص: ۶۔

ادعیہ کے سلسلہ میں ایک جامع کتاب تصنیف کا ارادہ: جلد ثالث: ص: ۱۰۹

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت: جلد ثالث: صفحات: ۱۴۲، ۲۶۰، ۲۶۴، ۵۳۹۔

آثارِ صحابہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ: جلد خامس: ص: ۸۳۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق

جلد اول: ص: ۲۲۔

جلد ثانی: ص: ۵۶۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف: جلد رابع: صفحات: ۱۱۹، ۲۶۶

انہی اشارات پر اکتفا کرتا ہوں

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار

والحمدللّٰہ اولًا واٰخرًا. والصلوٰۃ والسلام علی النبی دائمًا ابدًا